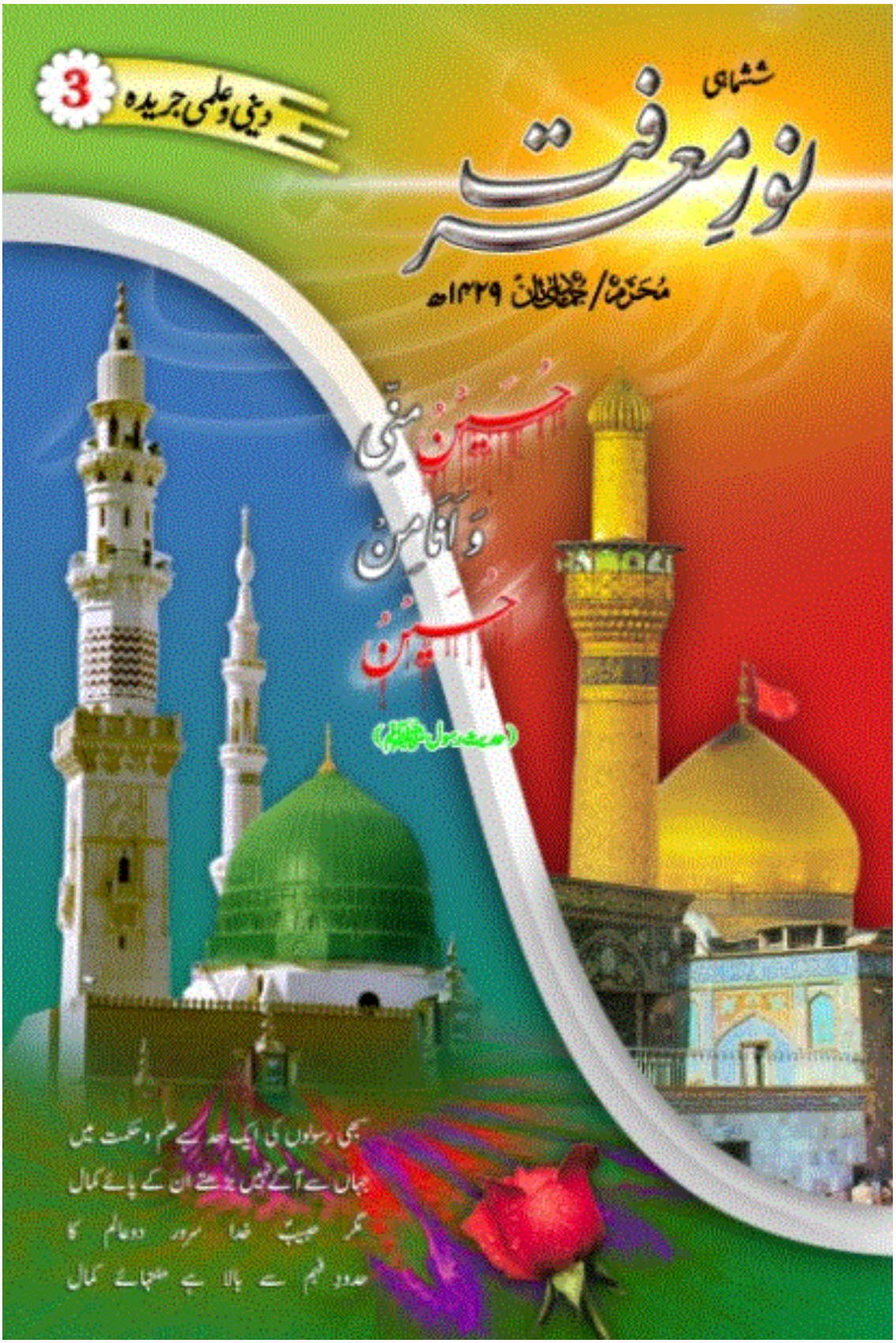

3
دینی و علمی جریدہ
ششماہی
نورِ معرفت
محرم/جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ
حسین منی و انا من حسین
(حدیث رسول ﷺ)
سبھی رسولوں کی ایک حد ہے علم و حکمت میں
جہاں سے آگے نہیں بڑھتے ان کے پائے کمال
مگر حبیبِ خدا سرورِ دوعالم کا
حدودِ فہم سے بالا ہے منتہائے کمال

دینی وعلمی مجلہ

نور معرفت

شعبہ تحقیقات، نورالہدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) بھارہ کہو

اسلام آباد، فون # 051.2231937

التماس

مقالہ نگار حضرات سے درخواست ہے کہ تمام مسودات مدیر مجلّہ کے نام ارسال فرمائیں حواشی وحوالہ جات کا اہتمام ضروری ہے جن مقالات پر حوالے نہیں ہوں گے وہ قابل قبول نہیں ہوں گے

نور معرفت

میں شائع ہونے والے مقالات کا موضوعاتی دائرہ حسب ذیل ہے؛

علوم القران، علوم الحدیث، سیرت، فقہ واصول فقہ وحقوق، علم کلام تصوف، تقابل ادیان۔ اسلامی تاریخ، تعلیم وتربیت، شخصیات، اقتصادیات اسلام۔

اور دوسرے اسلامی موضوعات پر لکھی جانے والی کتب بھی تبصرہ وتعارف کے لیے مجلّہ نور معرفت کو ارسال کی جاسکتی ہیں۔ **علمی تحقیقی کتابوں پر تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں۔** ادارے سے خط وکتابت مندرجہ ذیل پتہ پر کی جائے۔

مدیر نور معرفت

سادات کالونی، جامعۃ الرضاؑ

بھارہ کہو، اسلام آباد

فون نمبر 051.2231937

دینی وعلمی مجلہ

ششماہی **نور معرفت**

صرف ممبران کے لیے

محرم الحرام **تا** جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ

جلد۔۲ شمارہ۔۳

مجلس ادارت

مدیر مجلّہ ☆ سید رمیز الحسن موسوی

سید حسنین عباس گردیزی ☆ سید ثمر علی نقوی

سید محمد جعفر خوارزمی ☆ محمد اصغر عسکری

تزئین کار۔نگران طباعت: علی طاہر حسینی

مجلس مشاورت

١۔ سید امتیاز علی رضوی

٢۔ ڈاکٹر حسنین نادر

٣۔ جعفر علی میر

٤۔ سید نثار علی ترمذی

٥۔ ملک اعجاز حسین

٦۔ اقرار حسین جعفری

فہرست مطالب

اداریہ

عزاداری کا تحفظ! علما دین اور مدارس کی ذمہ داریاں: .....(06)

قرآن وتفسیر

کیا بسم اللہ جز وقرآن ہے؟ از حجۃ الاسلام سید قرۃ العین عابدی:۔.....(11)
فلسفۂ قصص قرآن:۔ از حجۃ الاسلام سید ثمر علی نقوی:۔.....(19)

حدیث

عزاداری سنت رسولؐ کی روشنی میں:۔ از مبلغ اعظم محمد اسماعیل (مرحوم):۔.....(42)

کلام وفلسفہ

رجعت قرآن وسنت کی نظر میں:۔ از حجۃ الاسلام سید حسنین عباس گردیزی:۔....(69)

تاریخ وسیرہ

عاشورا کا سیاسی پہلو:۔ از حجۃ الاسلام جعفر علی میر:۔.....(95)
کربلا کے بعد امام سجاد - کا جہاد:۔ از حجۃ الاسلام محمد اصغر عسکری:۔.....(106)

اقتصادیات

اسلام کی روشنی میں سود کی حرمت:۔ از سید رمیز الحسن موسوی:۔.....(116)

کتاب شناسی

مجمع البیان فی تفسیر القران:۔ از سید رمیز الحسن موسوی:۔.....(139)

شعر وادب

اوراق الوردۃ۔۔قصیدہ بردہ :۔ از ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی:۔.....(150)

نور الھدیٰ ٹرسٹ کا تعارف

شعبہ تبلیغات:۔ ۔.....(161)

اداریہ

عزاداری کا تحفظ !

علمائے دین اور مدارس کی ذمہ داریاں

ہم نے گذشتہ شمارے میں دینی مدارس اور عصری تقاضوں کے حوالے سے کچھ عرائض قارئین کی خدمت میں پیش کیے تھے اور عصری ضروریات کے سلسلے میں مدارس کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ مبذول کرائی تھی۔ اسلامی معاشرے میں مدارس کی اہمیت کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ جس مسلمان معاشرے میں دینی ادارے بیدار اور فعال رہے ہیں وہاں عصری تقاضے بھی پورے ہوئے ہیں اور دین نے عصری تقاضوں کے مطابق عوام الناس کی ہدایت وراہنمائی کا فریضہ ادا کیا ہے چونکہ اسلامی معاشرے کی تعمیر اور تہذیب میں دینی ادارے خواہ وہ مساجد ہوں یا مدارس دینیہ ؛ بہت ہی اہم کردار کے حامل ہیں اور کسی معاشرے کے بگڑنے اور سنورنے میں مدارس اور مساجد اور ان اداروں سے متعلق لوگ خواہ ائمہ مساجد ہوں یا متولیان مدارس بہت اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

لہذا یہ بات تجربہ شدہ ہے کہ جس علاقے میں بھی ان اداروں اور اُن سے متعلق ذمہ دار افراد نے اپنی ذمہ داریاں پوری کی ہیں تو اُس علاقے میں اسلامی تہذیب وثقافت کے اثرات واضح طور پر نظر آتے ہیں اور اُس میں بسنے والے مسلمان دوسروں کی نسبت اسلامی اور قرآنی زندگی کا نمونہ ہوتے ہیں۔ اسلامی معاشرے کا ایک خصوصی امتیاز اُس معاشرے میں شعائر اللہ کی پاسداری اور احترام ہے جس معاشرے میں بھی شعائر اللہ کی پاسداری کی جاتی ہے اور اُن کو اُن کا حقیقی مقام دیا جاتا ہے وہ ایک کامیاب اسلامی معاشرہ کہلاتا ہے

اسلام ناب میں کہ جس کی نمائندگی مذہب حقہ اہل بیتؑ کرتا ہے، منجملہ شعائر اللہ میں

سے ایک عزاداری امام حسین علیہ السلام ہے جس کی حفاظت اور ترویج تمام مومنین اور شیعان اہل بیت اطہارؑ کا ایک اہم دینی فریضہ ہے عزاداری امام مظلومؑ ایک جانب سے عوامی معرفت وجذبات سے تعلق رکھتی ہے تو دوسری جانب واقعہ کربلا کی مستند تاریخ سے مربوط ہے کہ جس کی بنیاد پر ہم اس عظیم واقعہ کے علل واسباب اور فلسفے کا مطالعہ کرتے ہیں۔تاریخ کربلا اگر مسخ ہو جاتی ہے تو کربلا اور عاشورا کا فلسفہ بھی مسخ ہو جاتا ہے اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کی اس عظیم قربانی کا ضائع ہونا یقینی ہو جاتا ہے۔اور اس قربانی کا ضائع ہونا یا اسے ضائع کرنا وہ عظیم گناہ اور خیانت ہے کہ جس کی وجہ سے پوری اُمت نہ صرف اللہ تعالیٰ کے حضور جوابدہ ہے بلکہ اس واقعہ میں قربان ہونے والے اللہ کے پیاروں کے سامنے بھی مسئول ہے۔

اس لئے جہاں عوام اور محبین اہل بیتؑ کے واقعہ کربلا کے بارے میں احساسات وجذبات کا احترام کرنا اور ان کو درست سمت عطا کرنا ضروری ہے؛ وہاں اس واقعہ کی مستند تاریخ ،مقاصد اور فلسفے کی حفاظت بھی لازمی ہے۔

پہلی ذمہ داری:۔

ذاکرین ،خطباء ،نوحہ خوان ومرثیہ گو حضرات اور بانیان مجالس کی ہے کہ وہ عوام کے عاشورائی جذبات کا احترام کریں اور انہیں درست سمت پر باقی رکھیں تا کہ عوام خرافات کے بجائے حقیقی معرفت کے ساتھ عزاداری امام مظلوم برپا کرسکیں اور کوئی ایسا کام نہ کریں جو عقل عامہ کی مخالفت کی وجہ سے عوام اور جوان طبقے کے جذبات کو سرد کرنے کا باعث بنے اور جوان نسل عزاداری کو خرافات قرار دیکر اس سے روگردان ہو جائے لہذا اس حوالے سے اہل منبر حضرات کی ذمہ داری بہت سنگین ہے۔جو انتہائی خلوص اور ایمانی قوت کی متقاضی ہے

دوسری اہم ذمہ داری:۔

واقعہ کربلا کی تاریخ اور فلسفے ومقاصد کی حفاظت ہے تو یہ ہمارے دینی وعلمی اداروں اور علمائے کرام ومئورخین عظام کی ذمہ داری ہے کہ وہ علمی تحقیقات اور تاریخی حقائق کی روشنی میں

زمانے کے تقاضوں کے مطابق واقعہ کربلا اور اہل بیت اطہارؑ کی تاریخ کو مستند انداز میں دنیا کے سامنے پیش کریں اور اس عظیم واقعہ کے بارے میں پیش آنے والے شبہات کا علمی حوالوں کے ساتھ جواب دیں اور کسی بھی وقت یہ عظیم فریضہ جہلاء کے سپرد نہ کریں اور علمی میدان خالی نہ چھوڑیں تا کہ ناسمجھ، مفاد پرست لوگ اور دشمنان اہل بیت، میدان خالی دیکھ کر، کربلا اور عاشورا کے مقاصد کی غلط تفاسیر کرنے لگیں اور اسکی تحریف شروع کر دیں۔

اس کے علاوہ منبر حسینی پر آنے والوں کے لئے علمی مواد فراہم کرنا بھی ضروری ہے اور یہ کام فقط وفقط دینی مدارس اور علمی اداروں کا ہے نہ کوچہ و بازار میں بساط بچھانے والوں اور عوامی جذبات سے کھیلنے والوں کا۔

پس واقعہ کربلا اور عزاداری امام حسینؑ کو تحریفات، شبہات اور عصری آفات وخرافات سے محفوظ رکھنا علمائے دین اور دینی مدارس کی سب سے اہم ذمہ داری ہے چونکہ جہاں ۶۱ھ میں امام حسین علیہ السلام اور آپ کے جانثاروں کی قربانی کے نتیجے میں اسلام محفوظ ہوا ہے تو وہاں انہی جانثاروں کے پیام کی نشر واشاعت اور عزاداری کے نتیجے میں آج تک حقیقی اسلام ناب محمدیؐ محفوظ چلا آرہا ہے۔

جس دن بھی عزاداری امام مظلوم ختم ہوتی ہے یا اپنے اصل مقصد سے منحرف ہوتی ہے تو اس دن اسلام خطرات سے دوچار ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے پاسدار علمائے دین نے ہمیشہ واقعہ کربلا کے مقاصد کی حفاظت کی ہے اور اس کے اصل فلسفے کو زندہ رکھنے کی کوشش کی ہے اور جب بھی عزاداری پر اور اس کے مقاصد پر حملہ ہوا ہے علمائے دین نے ہر کام چھوڑ کر عزاداری امام حسینؑ کی حفاظت کا فریضہ ادا کیا ہے۔ عزاداری کے تحفظ کے سلسلے میں دینی مدارس کی سب سے اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس کے تاریخی متن کی حفاظت کریں اور شہدائے کربلا کے پیغام کو پوری انسانیت تک پہنچانے کے لئے عصری تقاضوں کے مطابق تبلیغی مواد فراہم کریں اور ایسے مبلغین تیار کریں جو زمان ومکان کے تقاضوں کے مطابق حسینی مشن کی تبلیغ کر سکیں اور عاشورا کے

مقاصد و فلسفے کو لوگوں تک پہنچا سکیں۔

مبلغین کی اصل ذمہ داری یہ ہے کہ وہ حسینی و عاشورائی انداز میں عوام الناس کی تربیت کریں تا کہ وہ کربلا والوں کی طرح اسلام اور قرآن کے پیغام کی حفاظت کر سکیں اور اسلام اور اس کی انسانی قدروں کی پاسداری کے لئے ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار رہیں۔لیکن یہ کام وہی مبلغ کر سکتا ہے جو خود تربیت یافتہ ہو اور عاشورائی تربیت کے مراحل سے گذر چکا ہو۔ایسے مبلغین کی تربیت کی ذمہ داری دینی مدارس میں ہی ہو سکتی ہے۔اگر دینی مدارس یہ اہم فریضہ ادا نہیں کرتے تو بعید نہیں کہ منبر حسینی پر حسینی مشن کے خلاف کام کرنے والے جمع ہو جائیں اور عزاداری جیسے عظیم معنوی سرمائے کو ضائع کرنا شروع کر دیں۔افسوس کے ساتھ کسی حد تک یہ کام ہمارے ملک میں شروع ہو چکا ہے اور بہت سے لوگ منبر حسینی کو حسینی مشن کے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ہمارے نزدیک اس المیہ کا سبب ہم سبھی ہیں لیکن اس میں زیادہ قصور دینی اداروں اور مدارس کا ہے کہ جنہوں نے اپنی الٰہی ذمہ داریوں سے غفلت کر کے دشمنان دین کیلئے میدان کھلا چھوڑ رکھا ہے۔

عزاداری ایک اہم فریضہ ہے جس پر ہمارے تمام بزرگان دین اور علمائے کرام بالخصوص مراجع تقلید ہمیشہ کاربند رہے ہیں اور اپنے اپنے گھروں اور اداروں میں عزائے حسینؑ برپا کرتے ہیں آج بھی حوزہ علمیہ قم اور نجف اشرف میں عزائے حسینؑ کی سب سے بڑی مجالس اور محافل مراجع تقلید کے گھروں پر برپا ہوتی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عزاداری امام حسین علیہ السلام کتنا اہم فریضہ ہے۔آخر میں امام اُمتؒ حضرت امام خمینی علیہ الرحمہ کے اقوال پر اپنا کلام ختم کرتے ہیں جس سے عزاداری اہل بیت اطہارؑ کی اہمیت اور اس میں علمائے دین کے کردار کی افادیت کا اندازہ ہوتا ہے؛

امام اُمتؒ علمائے کرام اور ائمہ جمعہ و جماعت کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

''ہماری قوم نے چھ ماہ کے بچے سے لے کر اسی سالہ بوڑھے تک کو راہ خدا میں قربان کیا ہے اور یہی اس عظیم شخصیت حضرت سید الشہدا امام حسینؑ کی پیروی ہے۔حضرت سید الشہداؑ نے سب کو

سکھا دیا کہ ظلم وستم اور جابر وظالم حکومت کا مقابلہ کس طرح کیا جائے۔ ماہ محرم الحرام میں ہماری ذمہ داری کیا ہے؟ اس ماہ میں علمائے اعلام اور خطبائے عظام کی ذمہ داری کیا ہے؟ اور اس ماہ محرم میں ملت کے تمام افراد کی ذمہ داری کیا ہے؟

امام حسین علیہ السلام، ان کے اصحاب اور اہل بیتؑ نے ذمہ داری بتا دی ہے کہ میدان میں ایثار وفداکاری کا مظاہرہ کریں اور میدان سے ہٹ کر تبلیغ کریں۔ آپ حضرات اور تمام وہ علما جو ملک کے اندر ہیں، سب کی ذمہ داری ہے کہ خدا کی اس نعمت اور اس کے عطیے کی حفاظت کریں اور اس نعمت کا شکر بجالائیں اور اس کا شکر یہ ہے کہ تبلیغ کریں۔

جو کام سید الشہداؑ نے کیا اور جو مقصد ان کا تھا جو راستہ انہوں نے اختیار کیا اور جو کامیابی شہادت کے بعد انہیں اور اسلام کو نصیب ہوئی؛ اسے لوگوں کے سامنے آشکار کریں اور یہ باور کرائیں کہ اسلام میں جہاد کا انداز وہی ہے جو انہوں نے اختیار کیا۔ وہ جانتے تھے کہ سو افراد سے کم اس مختصر سی جماعت کو لے کر ہر لحاظ سے مسلح اس ظالم کے ساتھ مقابلہ نہیں کیا جا سکتا لیکن اُنہوں نے قربانی پیش کی اور اسلام کو بچایا۔ یہ ماہ محرم ہے؛ اس میں آپ کو تبلیغ کرنا چاہیے۔ اس محرم کو زندہ رکھیے۔

ہمارے پاس جو کچھ ہے اس محرم اور ان مجلسوں کی وجہ سے ہے۔ ہماری تبلیغی مجلسیں بھی محرم کی وجہ سے ہیں اور سید الشہدا ؑ کی شہادت اور ان کے قتل ہو جانے کا نتیجہ ہیں۔ ہمیں دنیا پر اس شہادت کی تاثیر کی گہرائی کو سمجھنا چاہیے"۔ (صحیفہ نور، ج ۱۷، ص ۵۸)

آپ دیکھ کر رہے ہیں کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا۔ کوئی باطل سے روکنے والا نہیں ہے۔
ان حالات میں مرد مومن کو چاہیے کہ وہ خدا سے ملنے کی آرزو کرے۔

فرمان حضرت امام حسین-

کیا بسم اللہ جزو قرآن ھے ؟

از حجۃ الاسلام سید قرات العین عابدی

بسم اللہ کے جزو ہونے کے مباحث اجتھادی نہیں!
قرآن وسنت قطعیہ سے دلیل
حدیث رسول ﷺ
بیہقی کی دلیل
ابوداؤد کی صحیح حدیث
فخر رازی کی رائے
امیر معاویہ اور اجماع صحابہ
تفسیر طبری پر اعتراض
آلوسی کا نظریہ
شوکانی کی رائے

کیا بسم اللہ جزو قرآن ھے ؟

بڑے افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرنا پڑ رہا ہے کہ علمائے اہل سنت قرآن کریم کی سب سے بڑی اور عظیم آیۂ کریمہ کے جزء قرآن ہونے کے منکر یا اس کے بارے میں خاصے اختلاف کا شکار ہیں۔ حافظ ابن کثیر اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: علماء کے درمیان اتفاق ہے کہ یہ سورۂ نمل کی ایک آیت ہے تاہم اختلاف اس میں ہے کہ یہ ہر سورہ کی الگ الگ آیت ہے جو اس سورے کے شروع میں لکھی گئی ہو یا ہر سورہ کی آیت کا حصہ ہے؟ یا صرف سورہ فاتحہ کی آیت ہے اور دوسرے سوروں کی آیت نہیں علمائے سلف وخلف اس سب کے بارے میں اختلاف کرتے چلے آئے ہیں۔

سنن ابوداؤد میں صحیح سند کے ساتھ ابن عباس ÷ سے روایت ہے کہ جناب رسالت مآب ؐ سورتوں کی جدائی نہیں جانتے تھے جب تک کہ آپ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل نہیں ہوتی تھی۔ یہ حدیث مستدرک حاکم میں بھی ہے۔ صحیح ابن خزیمہ میں اُم سلمہ÷ سے روایت ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے بسم اللہ کو سورۂ فاتحہ کے شروع میں نماز میں پڑھا اور آپ اسے ایک آیت گنتے تھے۔

ابن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، ابو ہریرہ، حضرت علی -عطاء، طاووس، سعید بن جبیر، مکحول اور زہری کا یہی مذہب ہے کہ بسم اللہ ہر سورۂ کی ایک مستقل آیت ہے سوائے سورت برائت کے۔

نیز عبداللہ بن مبارک، شافعی، احمد اور اسحٰق بن راہویہ اور ابوعبید قاسم بن سلام کا بھی یہی مذہب ہے تاہم مالک، ابوحنیفہ اور ان کے ساتھی کہتے ہیں کہ بسم اللہ نہ تو سورۃ فاتحہ کی اور نہ کسی اور سورہ کی آیت ہے۔ ابن کثیر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے رقم کرتے ہیں: صحیح نظریہ تو یہی ہے کہ جہاں بھی قرآن کریم میں یہ آیہ شریفہ ہے وہاں پر مستقل آیت ہے۔[1]

بسم اللہ کے جزء ہونے کے مباحث اجتہادی نہیں ہیں ؟

بعض مفسرین کا یہ خیال ہے کہ بسم اللہ کے جزء ہونے کے بارے میں مباحث اجتہادی بھی ہیں اور اختلافی بھی اور بسم اللہ کا آیت ہونا اخبار آحاد سے ثابت نہیں ہوسکتا بلکہ یہ تو اتر قطعی سے ثابت ہونا چاہیے۔ ان مفسرین میں قرطبی کا نام لیا جاسکتا ہے لیکن علامہ فخر رازی اس کی کھل کر تردید کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ان کی یہ نص عبارت قابل توجہ ہے:

"قال الشافعی ÷ "بسم اللہ الرحمن الرحیم آیة من اول سورة الفاتحه .وتجب قراءتها مع الفاتحه ،وقال مالک والا وزاعی رضی الله تعالیٰ عنهما :ا نه لیس من القرآن الّا فی سورة النمل ، ولا یقرا لا سراً ولا جهراً الّا فی قیام شهر رمضان فانه یقرؤها و أماّ ابو حنیفه فلم یرینص علیه و انما قال : یقرا بسم الله الرحمن الرحیم و یسربها ولم یقل انها آیة من اول السورة ام لا قال یعلی :سالت محمدبن الحسن عن بسم الله الرحمن الرحیم فقال : ما بین الدفتین قرآن قال : قلت فلم تسره قال : فلم یجبنی۔[2]

شافعیؒ نے کہا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ فاتحہ کی پہلی آیت ہے۔ سورۃ فاتحہ کے ساتھ اسے قرائت کرنا ضروری ہے جب کہ مالک اور اوازعی نے کہا کہ 'بسم اللہ' قرآن سے نہیں ہے سوائے سورۃ نمل کے۔ اور نہ بلند آواز سے پڑھی جاتی ہے نہ آہستہ سوائے ماہ رمضان کی نمازوں کے اور جہاں تک ابوحنیفہ کا تعلق ہے تو انہوں نے صراحت سے اس بارے میں کچھ نہیں فرمایا۔ یعلی کہتا ہے کہ میں نے محمد بن حسن سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں فرمایا کہ جو کچھ ان دو گتوں کے درمیان ہے وہ قرآن ہے۔

پھر میں نے پوچھا کہ پھر لوگ بسم اللہ کو آہستہ کیوں پڑھتے ہیں تو وہ چپ ہو گیا اور اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

علامہ فخررازی کی رائے:

علامہ فخر رازیؒ بسم اللہ کے جزء قرآن ہونے کو ایک اجتہادی بحث نہیں سمجھتے بلکہ ایک متواتر حدیث اور قطعی و یقینی مباحث میں سے گردانتے ہیں۔اُن کی نظر میں اجتھادی بحث یہ ہے کہ بسم اللہ کو فاتحہ کے ساتھ نماز میں پڑھنا ضروری ہے یا نہیں، بسم اللہ کو آہستہ یا با آواز بلند پڑھنا چاہیے؟

وہ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(والذی عندی فیه ان النقل المتواتر ثابت بان بسم الله الرحمن الرحيم کلام أنزله الله علی محمد ﷺ و بانه مثبت فی)المصحف بخط القرآن وعند هذا ظهر انه لم یبق لقولنا انه من القرآن فاهدة الیس من القران فائدة '

جو چیز میری نظر میں ہے وہ یہ کہ متواتر روایات سے قطعی طور پر یہ بات ثابت ہو چکی کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وہ کلام ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا ہے اور یہ کہ قرآن کریم کے نسخوں میں بھی (تواتر کے ساتھ) اسے لکھا گیا ہے۔پس اس بحث کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی کہ بسم اللہ جزء قرآن ہے یا نہیں۔[۳]

علامہ فخر رازیؒ اس کے بعد اس بحث کا آغاز کرتے ہیں کہ کیا 'بسم اللہ' سورہ حمد کا جزو ہے یا نہیں؟ اور اس ضمن میں اختلاف نقل کرنے کے بعد سترہ (۱۷) دلائل پیش کرتے ہیں جن سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ بسم اللہ سورہ فاتحہ کا جز ولازم ہے۔

بسم الله کے جزهونے کی دلیل قرآن اور سنت قطعیه سے:

ہم بسم اللہ کے جزء قرآن ہونے کی دلیل خود قرآن سے پیش کریں گے تا کہ کہنے والا یہ نہ کہہ سکے کہ قرآن خبر واحد سے ثابت نہیں ہوتا۔اگر چہ جو کچھ قرآن کی جلد کے اندر ہے اس کو شبہے کی نظر۔

۱۔ اقراء باسم ربک

سے دیکھنا ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔اللہ تعالیٰ نے غار حراء میں ہونے والی سب سے پہلی وحی میں یہ حکم دیا تھا کہ تم جو بھی پڑھنا اپنے رب کے نام سے پڑھنا اور بسم اللہ اسی حکم کی اطاعت کا ایک واضح مصداق ہے جس کی تعلیم بھی خود خالق نے دی۔

۲۔سبع المثانی:

کیونکر ممکن ہے کہ خالق قرائت باسم رب کا حکم دے اور اس کی تعلیم سے محروم کر دے؟ اللہ تعالیٰ نے سورۂ میں اپنے حبیب ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا:

'ولقد آتیناک سبعا من المثانی والقر ان العظیم ہ 'حجر ۸۷۔

اے حبیب ﷺ ہم نے تمھیں سبع۔لمثانی دی اور عظیم قرآن دیا۔

سبع مثانی سے مراد سورۂ حمد ہے جو بسم اللہ ملا کر سات آیات بنتی ہیں اور تب ہی انہیں سبع مثانی کہنا درست ہوگا پس سبع مثانی میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی شامل ہے اس کی سب سے بڑی دلیل اس کا خود قرآن میں لکھا جانا شامل ہے۔

جیسا کہ سورۂ فاتحہ جب نازل ہوئی تھی تو اس میں سب سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہوئی تھی۔سعودی عرب سے چھپنے والا قرآن جو سب سے زیادہ معتبر ہے یعنی عثمان طہ والا قرآن اس میں بھی سورۃ فاتحہ میں بسم اللہ کو پہلی آیت شمار کیا گیا ہے۔اللہ کے نبی حضرت سلیمان- نے اپنا خط بسم اللہ کے بغیر شروع نہیں کیا تو خالق اپنا کلام کیسے بسم اللہ کے بغیر شروع کر دیتا اور اسے پڑھنے کی اجازت دیتا؟ سوچنے کا مقام ہے کہ کیونکہ نکر قبول کر لیا جائے کہ سورۃ حمد میں بسم اللہ آیت نہیں ہے اور

صراط الذین انعمت علھیم اور غیر المغصوب علھیم ولا الضالین

الگ الگ آیات ہیں حالانکہ یہ سب صفات ہیں۔اس کی تائید ابن عباس کی راویت سے بھی ہوتی ہے۔سعید بن جبر ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا 'قول **ولقد آیتناک سبعا من المثانی**' (حجر ۸۷) اس سے مراد سورۂ حمد ہے۔ابن عباس سے یہ پوچھا گیا کہ ساتویں آیت کون سی

ہے تو انہوں نے کہا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔بسم اللہ پر اختلاف کرنے سے اس کے قطعی اور متواتر ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا اس لئے کہ اختلافی مباحث اور شبہات بعد میں وجود میں آئے اور پہلے اس طرح کی کوئی چیز نہ تھی۔بسم اللہ کی تکرار سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ بسم اللہ سورتوں کو جزو نہیں اس لئے کہ بہت سی آیات میں تکرار ہے بلکہ بسم اللہ ہر آیت کا نقطہ آغاز ہے۔اس سورے سے حاصل ہونے والے فائدے کے معنی انجام کی ضامن بھی ہے۔

۳۔امیر شام اجماع صحابہ:

منقول ہے کہ امیر شام مدینہ آئے اور انہوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی وہ نماز بلند آواز سے پڑھ رہے تھے۔اور جب انہوں نے نماز مکمل کر لی تو انصار و مہاجرین نے ہر طرف سے آوازیں نکالیں کہ کیا آپ بھول گئے ہیں؟ جب آپ نے سورہ حمد پڑھی تو بسم اللہ کہاں گئی؟ پس معاویہ نے دوبارہ نماز پڑھائی اور بسم اللہ پڑھی۔ یہ روایت بخوبی دلالت ہے کہ بسم اللہ کا جزو فاتحہ ہونا ایک قطعی ثبوتی امر تھا۔صحابہ کرام کا اس کے بارے میں اجماع تھا اور اختلاف کے شبھے بعد میں القاء کئے گئے ہیں جس سے یہ مسئلہ اجتھادی و اختلافی نہیں بن سکتا۔

۴۔حدیث رسول ﷺ:

یہ حدیث فریقین کے نزدیک قطعی و مسلم الصدور ہے جس میں آنحضرتؐ نے فرمایا

'کل امر ذی بال لم یبدأ فیه بسم الله الرحمن الرحیم فهو اُبتَرُ '

ہر وہ اہم کام جسے اللہ کے نام سے نہ شروع کیا جائے ناقص ہے لہذا اگر کسی نے فاتحہ پڑھی اور بسم اللہ نہیں پڑھی تو اس کی فاتحہ ناقص ہے۔اور اگر کسی نے نماز میں ناقص فاتحہ پڑھی تو اس کی نماز بھی ناقص ہے۔پس نہیں معلوم بعد میں آنے والے علماء کو یہ شبہہ کیسے پیش آیا؟ البتہ جن احادیث میں یہ نقل کیا گیا کہ آنحضرت ﷺ نے الحمد للہ رب العالمین پڑھا اس سے مراد سورہ حمد کے نام کی طرف اشارہ ہے نہ یہ کہ الحمد بسم اللہ کے بغیر پڑھنا روا ہے۔

تفسیر طبری پر اعتراض :

تفسیر طبری بنیادی طور پر ایک روائی تفسیر ہے جو روایات اور احادیث کے ذریعے سے تفسیر کرتی ہے لیکن اس کے باوجود کہ وہ اس ضمن میں موصول ہونے والی قطعی روایات کو نقل کر کے شبہات کی گرد کو اجماع صحابہ کی زمین سے پاک کر سکتی تھی لیکن انہوں نے اس مسئلہ میں صرف نقل اختلاف پر اکتفا کیا۔ یہ ایک خوشایند امر ہے کہ نامور مفسرین کی اکثریت بھی اس نقل کردہ اختلاف کے باوجود جو بعد کے ادوار میں ڈالا گیا' اسی کے قائل ہیں کہ بسم اللہ جزء قرآن ہے۔ سید قطب فی ظلال القران آلوسی المعانی میں علاء الدین بغدادی تفسیر الخازن میں شوکانی' فتح القدیر' میں رشید رضا تفسیر المنار میں اور سیوطی المنشور میں اس کے قائل ہیں۔

حیرت کا مقام ہے کہ کچھ لوگ اللہ کے نام کو اس کے کلام سے الگ کرنے کی کوشش کریں جب کہ قرآن کریم حضرت عثمان کے دور میں اجماع صحابہ سے مرتب ہوا اور اس پر اُمت مسلمہ کا اجماع ہے۔ جبکہ ابن سعد طبقات میں اور ابن ابی شیبہ' احمد' ابوداود' ابن خزیمہ اور ابن انباری نے مصاحف میں اور دار قطنی' حاکم' بیھقی اور ابن عبداللہ نے ام سلمہ سے حدیث نقل کی کہ نبی کریم ﷺ سورہ حمد کو ہمیشہ بسم اللہ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے اور بسم اللہ کو ایک آیت گنتے تھے [۴]

بیھقی کی دلیل :

بیھقی نے کہا: اصحاب تفسیر کی بہترین دلیل کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن میں سے ہے اور اسے ہر سورے کے شروع میں پڑھنا چاہیے سوائے سورہ برائت کے وہ بات ہے جو ہم نے نقل کی ہے کہ جب صحابہ کرام نے اسے قرآن کریم کے نسخوں میں لکھا اور ہر سورۂ کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ دیا ماسوائے سورۂ برائت کے پس کیونکر ایک وہم کرنے والا وہم کر سکتا ہے کہ صحابہ نے 113 عدد آیات قرآن میں لکھ دیں جب کہ وہ قرآن میں نہیں تھیں اسی نظریہ کی تائید علاالدین بغدادی بھی تفسیر الخازن میں کرتے ہیں۔

آلوسی کا نظریہ:

آلوسی بغدادی تفسیر روح المعانی میں سولہ دلائل قائم کرنے کے بعد لکھتے ہیں:'ان الصحیح من مذهبنا ان بسم الله الرحمن الرحیم آیة مستقله وهی من القرآن'۲ہمارے قائم کردہ نظریات میں سے صحیح نظریہ یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ایک الگ آیت ہے اور یہ قرآن کا حصہ بھی ہے۔

ابو داؤد کی صحیح حدیث :

ابو داؤد نے ابن عباس سے صحیح اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے اور اسی کو حاکم نیشاپوری نے مستدرک میں روایت کیا ہے کہ:

'کان النبی صلی الله علیه وآله وسلم لا یعرف فصل السورة حتی ینزل علیه بسم الله الرحمن الرحیم' ۱

آنحضرت ﷺ سورتوں کی جدائی نہیں جانتے تھے مگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے نازل ہونے سے۔

شوکانی کی رائے :

علامہ شوکانی مستند روایات نقل کرنے کے بعد اپنی رائے کا یوں اظہار کرتے ہیں

'واحادیث الترک وان کانت اصح ولکن الاثبات ارجح مع کونه خارجاً من مخرج صحیح فالا خذ.به اولیٰ ،ولا سیمّا مع امکان تأویل الترک وهذ یقتضی الثبات الذاتی ،اعنی کونها قرآناً 'والوضعی أعنی الجهر بها عند الجهر بقراءة یفتتح بها من السور فی الصلاة'۱

شوکانی فرماتے ہیں کہ احادیث ترک بسم اللہ اگرچہ سند کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہیں لیکن بسم اللہ کے جزو ہونے کی روایات ان پر ترجیح رکھتی ہیں یہ روایات بھی صحیح اسناد کے ساتھ نقل ہوئی ہیں پس ان کو اخذ کرنا اور ان پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے خاص کر جب ہم بسم اللہ کو ترک کرنے والی روایات کی

تاویل بھی کر سکتے ہیں اور یہ بات خود متقاضی ہے کہ اگر روایات نہ بھی ہوں تب بھی بسم اللہ خود سے لکھا ہونا ہی ثابت کر دیتا ہے کہ وہ قرآن کا جزو ہے اور اس کے لیے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔ا سے نماز میں سورتوں کے شروع میں بلند آواز سے پڑھنا یا آہستہ پڑھنا ایک اجتھادی اور الگ مسئلہ ہے لیکن بسم اللہ کا جزء قرآن ہونا اظہر من الشمس ہے۔

حوالہ جات

1۔ حافظ ابن کثیر تفسیر ابن کثیر، لاہور وازنیاز، ص۶۳، جلد اول

2۔ الفخر الرّازی، تفسیر الکبیر، بیروت، دار احیا التراث ۲۰۰۱ء جلد۔ا۔ص۱۷۲

3۔ التفسیر الکبیر، ج۔ا۔ص۱۷۳

4۔ سیوطی۔الدّار المنشور، تھران: مکتبہ الاسلامیۃ۔ج۔ا۔ص۔۷

5۔ علاء الدین بغدادی، تفسیر الخازن۔بیروت: دار الکتب العلمیہ ۱۹۹۵۔ج۔ا۔ص۔۱۸

6۔ آلوسی، تفسیر روح المانی، ۔۔۔۔۔۔ج۔ا۔احیا التراث ۱۹۹۹ء

7۔ الشوکانی، فتح القدیر۔بیروت: دار لکتب العلمیۃ ۲۰۰۰ ج۔ا۔ص۱۵۔

8۔ ابوداود، کتاب السنن، بیروت: دار احیا التراث: کتاب الصلاۃ، ج۔۱۸۷ص۔۱۳۶

9۔ الشوکانی، فتح القدیر بیروت: دار الکتب۔۲۰۰۰۔ج۔ا۔ص۱۵۔

فلسفۂ قِصَصِ قرآن :۔

حجۃ الاسلام سید ثمر علی نقوی

مقدمہ: قرآن مجید خالق کائنات کی جانب سے نازل کردہ ایسی جامع کتاب ہے جس میں انسانی ہدایت کے تام وتمام اصول موجود ہیں۔

ان ھذا القران یھدی للتی ھی اقوم [۱]

اگر چہ قرآن کریم ایسا بحرعمیق ہے کہ جس کی گہرائی میں غوطہ ور ہونا سوائے معصومینؑ کے میسر نہیں

وان القران ظاھرہ انیق وباطنہ عمیق [۲]

اس قرآن کا ظاہر خوش نما اور باطن گہرا ہے

لیکن اس کے باوجود اسی دریائے ناپیدا کنار میں غوطہ لگا کر تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرنا بھی سب کا فریضہ ہے کیونکہ خود قرآن نے مقصد نزول کو اس طرح بیان فرمایا ہے

کتاب انزلناہ الیک مبارک لید بروا ایاتہ [۳]

یہ ایک مبارک کتاب ہے جسے ہم نے آپ (رسولؐ) کی طرف نازل کیا تا کہ یہ لوگ اس کی آیات میں غور وفکر کریں اور صاحبان عقل نصیحت حاصل کریں)

قرآن حکیم نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جو قرآن میں تدبر نہیں کرتے انہیں موردسرزنش وعتاب قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے

افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا [۴]

کیا یہ لوگ قرآن میں ذرا بھی غور نہیں کرتے ہیں یا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں

یہاں ''**تدبر فی القرآن**'' کی دعوت ہے

''تدبر'' مادہ ''دبر'' سے ہے۔جس کے معنی نتائج وعواقب پر نگاہ کے ہیں جب کہ تفکر میں زیادہ تر علل واسباب میں غور وفکر کرنا مقصود ہوتا ہے۵

غرض یہ کہ قرآن نے دعوت عام دی ہے''تدبر'' کی اگر چہ تدبر اس وقت تک ممکن نہیں جب تک دلوں پر سے خواہشات نفسانی ، جہالت وضلالت اور تعصب وتکبر کے لگے تالے نہ اتارے جائیں۔ ایک طرف عمومی دعوت ہے جب کہ دوسری طرف انسانی اذہان وعقول مختلف ہیں بعض عقلیات کی بلند پروازی پر فائز ہیں تو بعض حسیات وتخیلات کی وادیوں میں گم ہیں اس بنا پر خدائے علیم وحکیم نے قرآنی تعلمیات کو مختلف اسلوب میں بیان کیا ہے کہیں عقلی استدلال ہے تو کہیں موعظہ وجدل کہیں علمی بیانات ہیں تو کہیں قصص وتمثیلات بھی ہیں اگر متشابہات موجود ہیں تو محکمات بھی وجود رکھتی ہیں۔اور یہی ام الکتاب ہیں

فیه آیات محکمات وهن ام الکتاب و اخر متشابهات٦

قرآن ایک انسان ساز کتاب ہے جو انسانی سعادت کا مکمل پروگرام دیتا ہے نیز چونکہ قرآن کتاب ہدایت ہے اور لوگوں کو راہ راست پر چلنے کی راہنمائی کرتا ہے لہذا ایسی تعلیمات وحقائق بیان کرتا ہے جو معاشرے کی ضرورت ہوں اور جن کا بیان کرنا دین کی ذمہ داری ہے

مافرطنا فی الکتاب من شی ٧

ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کے بیان کرنے میں کوتاہی نہیں کی

فیه تبیان لکل شی٨

اس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے

یعنی تمام ایسی باتیں جو انسان کی دنیاوی واخروی سعادت کا باعث بن سکتی ہیں قرآن نے ہر طبقہ کے افراد کے لیے واضح بیان کر دی ہیں۔قرآن نے صرف انسان کی اخروی اور معنوی زندگی کے اصول بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ہر وہ شئی جو سعادت بشر میں موثر ہو سکتی ہے بیان

کر دی یہی وجہ ہے کہ قرآن نے انفرادی مسائل سے لے کر تمام معاشرتی سیاسی ثقافتی مسائل کو اس خصوصیت کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ سب لوگ اپنی استعدادِ فہم کے مطابق استفادہ کر سکیں، نہ عام لوگوں کو سمجھنے میں دشواری پیش آئے اور نہ دانشور اس سے بے نیاز ہوں جب کہ عام انسانوں کی تحریر کردہ کتابیں یا صرف عام لوگوں کے لیے لکھی جاتی ہیں جو دانشور طبقہ کی دلچسپی کا موضوع نہیں یا مشکل و پیچیدہ طریقہ سے لکھی جاتی ہیں کہ عام لوگوں کی دسترس سے باہر ہوتی ہیں۔

لیکن قرآن اس طرح نہیں عام لوگ اسے پڑھتے ہیں تو اس کی مٹھاس اور حسن کا احساس کرتے ہیں اور عاشقانہ وار اس کے احکامات کو دل و جان سے قبول کرتے ہیں دوسری جانب دانشور طبقہ اور اہل فکر و نظر حضرات قرآن کی اعلیٰ فصاحت و بلاغت کا ادراک کرتے ہوئے اپنے قلب و عقل کی زینت و جمال میں مزید اضافہ کرنے کی خاطر اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ قرآن کے انداز گفتگو کی خصوصیت یہ ہے کہ ظہور اسلام کے دور جاہلیت اور بدوی معاشرہ کے مخاطبین بھی استفادہ کرتے ہیں اور آج کے علمی سائنسی ترقی یافتہ دور کے ماہرین بھی استفادہ کرتے ہوئے اس سے ہدایت و راہنمائی لیتے ہیں، اس خصوصیت کے بارے حضرت امام جعفر صادق -فرماتے ہیں: قرآن چار بنیادوں پر استوار ہے

متن، اشارات، ظریف نکات، اور حقائق۔

قرآن کا متن عام لوگوں کے لیے ہے۔

اشارات خاص اور اہل علم حضرات کے لیے۔

اس کے ظریف نکات سے مخلص تدبر کرنے والے اور اولیا اللہ مستفید ہوتے ہیں جبکہ اس کے حقائق کی مکمل معرفت انبیاءؑ و معصومینؑ کو حاصل ہو سکتی ہے[9]

متن قرآن کا ایک حصہ ''قصص'' پر مشتمل ہے جن کو دیکھ کر ذہن میں سوال ابھرتا ہے کہ قرآن تو ہدایت کی کتاب ہے۔ تاریخی قصہ کہانیوں کی کتاب نہیں ہے پھر ان واقعات کو بیان

کرنے کا کیا فلسفہ ہے؟ کس حکمت کے پیش نظر خدائے علیم وحکیم نے گذشتہ امتوں اور سابقہ انبیاًء کی داستانیں نقل کی ہیں؟ اس کا جواب اس مختصر تحریر میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے تا کہ معترضین کو جواب دینے کے علاوہ مومنین ان ''قصوں'' کی لطیف حقیقتوں سے اپنے دلوں کو روش ومنور کرسکیں۔ ''قصص'' کا لغوی واصطلاحی معنی:۔لفظ ''قَــصَــصُ'' مصدر ہے اور مفرد ہے جس کے معنی ''متابعت'' کے ہیں اس کے مختلف معانی میں سے ایک قصہ یعنی داستان ہے مفردات راغب میں ہے۔

القصّ تتبع الاثر يقال قصصت الاثر ١٠

میں نے اس کے نشانات کا تعاقب کیا قرآن مجید کی بعض آیات میں یہی لغوی معنی استعمال ہوا ہے۔

وقالت لاخته قُصِيه ١١

اور کہا اس (مادر موسیٰ) نے موسیٰ کی بہن سے کہ اس کے پیچھے پیچھے چلی

جناب قرطبی لکھتے ہیں۔

اصل القصص تتبع الشی فا القصاص يتبع الاثار فيخبر بها

یعنی کسی چیز کی دریافت کے لیے پیچھے چلنا لہذا 'قصاص' کو اس لیے قصاص کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں قتل کے آثار کا کھوج لگایا جاسکتا ہے۔١٢

اصطلاح میں قصہ کو قصہ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ ایک واقعے کی جستجو اور اسکا تعاقب کرتا ہے۔ نیز چونکہ اس کے الفاظ اور جملات پے در پے اور ایک دوسرے سے پیوستہ بیان ہوتے ہیں۔ ''قصہ'' اپنے اصطلاحی معنی میں قرآن کے کئی مقامات پر استعمال ہوا ہے۔

١. لقد کان فی قصصهم عبره لاولی الالباب ١٣

ان قصوں میں صاحبان عقل کے لیے عبرت ہے

۲ .فلما جاء ته وقص علیه القصص قال لا تخف [۱۴]

جب حضرت موسیٰ -ان (حضرت شعیب-) کے پاس آئے اور سارا قصہ انہیں سنایا تو وہ کہنے لگے خوف نہ کرو۔۔۔

۳.نحن تقص علیک احسن القصص [۱۵]

ہم تمہارے لیے بہترین قصہ بیان کررہے ہیں

اس سورہ یوسف میں اگر ''قصص'' کومصدر پر حمل کیا جائے تو اس کے معنی ہونگے

نحن نقص احسن الاقتصاص

یعنی احسن البیان ۔اس صورت میں احسن کا تعلق بیان سے ہوگا نہ کہ قصہ سے یعنی یہ بیان فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے حداعجاز تک پہنچا ہوا ہے اس بنا پر بعض علماء پورے قرآن کو احسن القصص قرار دیتے ہیں ۔لیکن اگر مصدر کی بجائے 'مفعول' کے معنی پر حمل کیا جائے

مثلا الله رجا ئنا یعنی الله مرجوّنا

پھر اس سے وہ امور حکمت وعبرت اور نکات بدیعہ اور عجائبات غریبہ مراد ہونگے جو قرآن کے کسی اور قصہ میں نہیں پائے جاتے ۔ احسن اس لیے کہا گیا ہے کہ ایک ہی قصہ میں حاسد ومحسود، مالک ومملوک ،شاہد ومشہود ،عورتوں کے مکاریاں ،توحید ومعاد، سیاست وتدبیر مملکت ،حسن معاشرت ،تدبیرِ معاش ،ایثار واخلاص ،عفت وپاکدامنی اور دین ودنیا کی اصلاح جیسے بہت سے امور کا ذکر بڑی خوبی سے بیان کیا گیا ہے۔

درحقیقت یہ ''قصہ'' فقط ایک تاریخی واقعہ نہیں بلکہ وعظ ونصیحت اور فکر وبصیرت کا ایک مجموعہ ،قوت ایمانی ،صبر وشکر ،عفت وعصمت دیانت وامانت ،استعانت واستقامت اور تقوی و طہارت نفس کا بہترین مرقع عبرت ہے ۔فروغ اللغہ نے قصے کی تعریف اس طرح کی ہے۔ حدیث اور قصے میں فرق یہ ہے کہ قصہ حدیث سے زیادہ طولانی ہوتا ہے اکثر گزشتہ لوگوں کے

حالات کو بیان کرتا ہے۔

نحن نقص علیک احسن القصص

عربی زبان میں قصے کا اصلی معنیٰ کسی چیز کے پیچھے جانا ہے اور چونکہ قصے میں بعض واقعات دوسرے کے بعد اور پیچھے ہوتے ہیں اس لیے اسے قصہ کہا جاتا ہے[۱۶]

قصہ کے لغوی معنی پر غور کیا جائے تو 'پے در پے' یا جستجو والی مناسبت اس کے اصطلاحی معنی میں واضح اور عیاں نظر آتی ہے۔ کیونکہ معمولاً ادبی اور تخیلاتی قصوں میں ایک خیالی موجود کی حقیقت حال اور اس کی روداد کو اس طرح پے در پے الفاظ و جملات کے ذریعے بیان کیا جاتا ہے کہ پوری توجہ اس خیالی موجود (ہیرو) پر مذکور ہوتی ہے گویا قصہ اس آئینے کی مانند ہوتا ہے جس سے پورا وجود نظر آ سکتا ہو۔ اس لیے قصہ کہانی کو حکایت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اگر چہ حکایت او رقصہ میں بنیادی طور پر فرق ہے لیکن قریب المعنی ہیں چونکہ حکایت کا لفظ عربی زمان میں 'شبیہ' کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے "حکی یحکی حکایۃ" 'نقل اتارنا یا مشابہ ہونا [۱۷]

بنابراین قصہ و حکایت کے ذریعے الفاظ و جملات لباس میں گزرے ہوئے واقعہ میں موجود تمام کرداروں کی تصویر کشی کی جاتی ہے مخصوصاً اگر یہ واقعہ حقیقت پر بھی مبنی ہو تو اس قصہ کے آئینے میں اس حقیقت کی واضح شکل نظر آ جاتی ہے۔

اگر چہ ادبی قصہ و داستان میں سرے سے اصل واقعہ ہی بناوٹی ہوتا ہے یا کم از کم اس کا، ہیرو بناوٹی وخیالی ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود سننے اور پڑھنے والے پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے جب کہ قرآن پاک میں بیان شدہ واقعات، حقائق سے عکاسی کرتے ہیں اس لیے ان میں موجود وکردار مجسم ہو کر انسانی روح پر حقیقی اثرات چھوڑتے ہیں۔ مذکورہ بالا وضاحت کے پیش نظر قرآنی قصص کی حکمت و فلسفہ کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

قرآن میں گزشتہ اقوام اور راہبران الٰہی (انبیا -) کے واقعات بغیر کسی تحریف کے

بذریعہ وحی بیان ہوئے ہیں

تلک من انباء الغیب نوحیھا ای الیک ماکنت تعلمھا انت ولا قومل من قبل ھذا

یہ غیب کی خبریں ہیں جن کی ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں جن کا علم نہ آپ کو تھا اور نہ آپ کی قوم کو۔ ۱۸

کتب تاریخ میں نقل شدہ واقعات اور قرآنی قصص میں نہایت درجے کا فرق ہے ۔اول الذکر میں حق و باطل کی آمیزش کی وجہ سے 'حق وحقیقت' کی شناخت ناممکن ہے جب کہ موخر الذکر 'حق' کا آئینہ دار ہے

ما کان حدیثاً یفتریٰ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل کل شی وھدی ورحمۃ لقوم یومنون

یعنی (قرآن) گھڑی ہوئی باتیں نہیں بلکہ اس سے پہلے آئے ہوئے کلام کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل بتانے والا اور صاحبان ایمان کے لیے ہدایت ورحمت ہے ۱۹

قرآنی قصوں میں موجود سارے حقائق وحی پر مبنی ہیں ورنہ مکہ جیسے ماحول میں زندگی گزارنے والے کسی شخص کے پاس کسی قسم کے تاریخی ذرائع نہ تھے اگر کسی قدیم کتاب میں بعض واقعات ملتے بھی ہیں تو زیادہ تر تحریف شدہ واقعاتی پہلو ہیں جب کہ قرآن کی ان روحانی پہلوؤں کو بیان کرتا ہے جن میں ہدایت انسان کے اصول پائے جاتے ہوں ۔

راہبر کبیر حضرت امام خمینیؒ فرماتے ہیں:

تمام انبیاؑ آئے ہیں ہماری راہنمائی اور تربیت کرنے کے لیے انبیاؑ انسان اور انسان سازی کی خاطر آئے ہیں کتب انبیاؑ ''انسان ساز'' کتابیں ہیں، قرآن کریم ''کتاب انسان'' ہے علمِ انبیاؑ کا موضوع ''انسان'' ہے پورے کا پورا مخاطب (مورد خطاب) انسان ہے سب

باتیں انسان سے کی ہیں تمام خیرات وسعادت کا محور انسان ہے لیکن اگر ''انسان'' نہیں ہے تو پھر سب ظلمات ہے۔[۲۰]

قرآنی داستان اور تاریخی یا ادبی داستان کی تاثیر کے درمیان وہی فرق ہے جو شھد کو بیداری کی حالت میں کھانے اور حالت خواب میں کھانے کا فرق ہے حالت خواب میں صرف یہ اثر ہے کہ لعاب ٹپک آئے جب کہ حقیقی اثر، روحانی وجسمانی قوت وتوانائی کا حصول ہے۔

علاوہ براین داستان وقصہ، انسانی روح پر ایک خاص جاذبہ رکھتا ہے جس کی تاثیر انسان پر بچپن سے بڑھاپے تک نہایت درجہ ہوتی ہے اس کا راز بھی واضح ہے کیونکہ انسان 'عقلی' ہونے سے پہلے 'حسی' ہوتا ہے یعنی فکر وعقل کے مسائل میں غور وغروض کرنے سے زیادہ وہ حسی مسائل کا آسانی سے ادراک کر لیتا ہے۔

لہذا مسائل اس کے حواس پنجگانہ سے جتنا دور ہوتے جائیں گے اور عقلیات کی وادی کے قریب تر ہوتے جائیں گے اتنا ہی اس کے لیے ان کا ہضم کرنا مشکل تر ہوتا جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ عقلی استدلالات کو ذہن نشین کرانے کے لیے حسی مثالوں کا سہارا لینا بہترین اسلوب شمار کیا جاتا ہے قرآن چونکہ ہدایت بشر کا سرچشمہ ہے اس میں داستانوں کے ذریعے بھی تربیت انسانی کا انتظام کیا گیا ہے ان عبرت بھرے واقعات کو جو گزشتہ ادوار میں یقیناً رونما ہوئے ہیں بیان کر کے انسان کو ایک ایسا آینہ دکھا دیتا ہے جس سے فتح وشکست کے عوامل کا نظارہ کیا جا سکتا ہے نیز کامیابی وناکامی، خوشی بختی وبدبختی، سربلندی وپستی یعنی ہر قسم کے نشیب وفراز کو اس آئینہء حقیقیت نما سے باآسانی دیکھا جا سکتا ہے۔

آیت اللہ مکارم فرماتے ہیں؛

''داستان وقصہ'' سب کے لیے قابل فہم ہونا ہے جب کہ عقلی استدلال کو ورک کرنا سب کے بس کی بات نہیں اس بنا پر وہ کتاب جو عامہ الناس عرب بدو سے لے کر فیلسوفان ومتفکر

جہان کے لیے قابل استفادہ ہے ضروری ہے کہ وہ مثالوں اور داستانوں کے اسلوب سے بھی خالی نہ ہو۔

لہذا قرآن کریم نے تعلیم وتربیت کی ایک بہترین روش کا بھی سہارا لیا ہے بالخصوص قرآن چونکہ تاریخی کتاب نہیں لہذ اس نے صرف خالی واقعہ کو نقل کرنے پر اکتفا نہیں بلکہ ہر داستان سے ایک نتیجہ ضرور اخذ کیا ہے تا کہ ہر واقعہ سے تربیتی فائدہ بھی حاصل کیا جائے[۲۱]

انسانی افکار پر تجربات ومشاہدات کے اثرات اتنے راسخ ہیں کہ جن کے نقوش تادم مرگ اذہان سے زائل نہیں ہوتے۔

تاریخ انسانی زندگی کے گوناگوں مسائل کے لیے ایک آزمائش گاہ ہے عام طور پر انسان کے لیے قابل اطمینان معلومات وہ ہوتی ہے جو حواس پنجگانہ سے متعلق ہوں علاوہ براین انسان کو حقائق تک پہچانے میں تاریخ کا کردار اظہر من الشّمس ہے داستان درحقیقت اپنی بے زبانی سے مختلف مکاتب فکر ان کے طور طریقوں اور بے انصافیوں کے ناقابل انکار نتائج کو عام ذہن میں راسخ کر دیتی ہے باالفاظ دیگر گذشتہ اقوام کے واقعات اور نہایت قیمتی عمدہ تجربات کو ہم تک منتقل کرتے ہیں۔

گویا تاریخ ایک ایسا آئینہ ہے جو انسانی معاشرے کے اتار چڑھائی ان میں موجود اچھائی وبرائی، کامیابی ناکامی، صلح وجنگ جسے تمام معاملات کو واضح دکھانا ہے اس وجہ سے گزشتہ اقوام کی تاریخ کا مطالعہ انسان کو بالکل انہی کی عمر کے مطابق اس کی عمر کو بھی طولانی کر دیتا ہے.

اسی دلیل کی بنا پر حضرت امیر المومنین علی -فرماتے ہیں:

ای بنیـیّ انـی وان لهـم اکـن عـمـرت عـمـر من قبلی فقد نظرت فی اعمالهم وفکرت فی اخبارهم وسرت فی آثارهم حتی عدت کاحدهم

اے فرزند: اگر چہ میں نے اتنی عمر نہیں پائی جتنی اگلے لوگوں کی ہوا کرتی تھی پھر بھی میں

نے ان کی کا گزراریوں کو دیکھا ان کے حالات واقعات غور وفکر کیا اور ان کے چھوڑے ہوئے نشانات میں سیر وسیاحت کی یہاں تک کہ گویا میں بھی انہی میں سے ایک ہو چکا ہوں بلکہ ان سب کے حالات وواقعات میں جو مجھ تک پہنچے گئے ہیں ان کی وجہ سے ایسا ہے کہ گویا میں نے اول سے لے کر آخر تک کے ساتھ زندگی گزاری ہے[۲۲]

بنا برایں وہ کتاب (قرآن) جو تربیت بشر کا عالی ترین پروگرام پیش کر رہی ہو کیسے ممکن ہے تربیت کے اس اسلوب سے خالی ہو۔

حضرت امام صادق -فرماتے ہیں

ان عزیز الجبار انزل علیکم کتابة وھو الصادق البار فیه خبر کم وخبر من قبلکم وخبر من بعد کم وخبر السماء والارض ولو اتاکم یخبر کم عن ذالک لتعجبتم [۲۳]

خدائے عزیز وجبار نے تمہارے لیے ایسی کتاب بھیجی ہے جو حق سچ ہے جس میں تمہاری اور تم سے پہلے والوں کی خبریں واطلاعات موجود ہیں یہ خبریں اس حد تک واقعیت کے مطابق ہیں کہ اگر کوئی وہاں کا مشاہدہ کرنے والا تمہیں آ کر خبر دے تو تم تعجب کرو گے کہ کس قدر یہ خبر کسی کمی بیشی کے بغیر واقع کے عین مطابق ہے جس نے قرآن پر اعتماد کیا اس نے حقیقت پر اعتماد کیا ہے کیونکہ یہ خلاف واقع نہیں ہے۔

قرآن مجید میں کئی مقامات پر داستان کے مقاصد کی طرف اشارے ملتے ہیں۔ بعض آیات میں واضح طور پر قصہ قرآنی کے فلسفہ کو بیان کیا گیا ہے ذیل میں قرآنی قصہ کی وہ حکمتیں جو خود قرآن نے بیان کی ہیں۔

قرآن کی نظر میں فلسفه قصص قرآن :۔

قرآن ایک تاریخی کتاب نہیں ہے جس میں گزشتہ امتوں کے واقعات بیان کیے گئے

ہوں بلکہ قرآن انسان کی سعادت اور اس کے تکامل کے اصول بیان کرتا ہے لہذا جو چند داستانیں بیان کی ہیں ان میں بھی یہی مقصد مدنظر رہا ہے۔

1۔اثبات نبوت رسول اکرم ﷺ

رسول اکرم ﷺ کو ہادی بشریت بنا کر بھیجا گیا جس قدر آپؐ پر اعتماد و ایمان پختہ ہوگا اسی قدر آپؐ سے ہدایت بھرے پیغامات یقین کامل کے ساتھ حاصل کیے جائیں گے۔خداوند کریم نے رسول خدا ﷺ کی زبان سے حقیقت پر مبنی سابقہ امتوں کے واقعات بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں۔جو اس بات کی دلیل ہے کہ

اولاً: یہ کسی غیبی مخبر سے متصل ہے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتا

نحن نقص علیک احسن القصص بما اوحینا الیک هذا القرآن وان کنت من قبله لمن الغافلین

ہم آپ کے سامنے ایک بہترین قصہ بیان کر رہے ہیں جس کی وحی اس قرآن کے ذریعے آپ کی طرف کی گئی ہے اگرچہ اس سے پہلے آپ اس سے بے خبر تھے۔[۲۴]

یہ اشارہ ہے کہ یہ پورا قصہ وحی کا نتیجہ ہے ورنہ اس دور میں کوئی اس واقعہ سے باخبر نہ تھا کہ یہ تصور کیا جائے کہ رسول خدا ﷺ نے کسی سے سن کر سیکھ لیا ہوگا۔

'وما کنت بجانب الغربی اذقضینا الیٰ موسی الامر وما کنت من الشاهدین'

اور آپ اس وقت طور کے مغربی رخ پر نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کی طرف اپنا حکم بھیجا اور آپ اس واقعہ کے حاضرین میں بھی نہیں تھے۔[۲۵]

نیز بعد والی آیت میں فرمایا کہ ''آپ طور کے کنارے موجود نہ تھے جب ہم نے ندا دی تھی بلکہ (آپ کا رسول بنانا) آپ کے پروردگار کی رحمت ہے تا کہ آپ قوم کو تنبیہ کریں کہ شاید وہ نصیحت

حاصل کریں''۲۶

اس قسم کی دیگر آیات بھی موجود ہیں جن کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ جو کچھ رسول خدا ﷺ تمہیں بتاتا ہے۔ یہ وحی الٰہی کے ذریعے حاصل کرتا ہے لہٰذا شریعت اور احکام بھی جو قرآن میں موجود ہیں یہ بھی اسی منبع سے آئے ہیں۔

ثانیاً:۔ تمام انبیاء کرامؑ چونکہ ایک ہی سرچشمہ سے سیراب ہوتے تھے اس لیے ان سب کا اسلوب تبلیغ اور پیغام تبلیغ بھی ایک تھا۔ انہوں نے انسانوں کو ایک ہستی کی طرف رجوع دیا اور اُسی ''واحد'' کی عبارت و بندگی کا حکم دیا۔

'ولقد اتینا موسی وھارون الفرقان وضیاء وذکرا للمتقین'

اور ہم نے موسیٰ و ہارون کو حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب عطا کی ہے جو ہدایت کی روشنی اور صاحبان تقویٰ کے لیے یاد الٰہی کا ذریعہ ہے۲۷

اس کے بعد والی آیت میں قرآن کے بارے میں فرمایا

'وھذا ذکر مبارک انزلنا ہ افانتم لہ منکرون'

یہ قرآن ایک مبارک ذکر ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے کیا تم اس کا بھی انکار کرنے والے ہو۔۲۸

سورہ انبیا میں بعض انبیاء کرامؑ کا ذکر اور ان کی طرف سے پیغام الٰہی پہنچانے کے انداز کو بیان کرنے کے بعد ایک کلی قاعدہ کے طور پر فرمایا

انھم یسارعون فی الخیرات ویدعوننا رغبا ورھباً وکانو لنا خاشعین

(یہ تمام انبیاؑ) وہ لوگ تھے جو کار ہائے خیر میں سبقت لے جانے والے اور بارگاہ الٰہی سے متصل رہنے والے تھے۲۹

مزید تفصیل کے لیے سورہ شعرا کی آیات ۱۰۵ سے بعد ملاحظہ فرمائیں

ان قصوں کے ذریعے سادہ ذہن رکھنے والے افراد کا بھی اس بات پر یقین پیدا ہوگا کہ

ان انبیاؑ کا خدا سے رابطہ ہے کیونکہ اس اتصال اور ارتباط کی کیفیت کو واقعات میں بطور احسن مجسم کیا گیا ہے۔۳۰

ثالثا : تمام انبیاؑ نے انسان کو کمالات کی بلندیوں پر لے جانے کے لیے عالی ترین پروگرام پیش کرتے لیکن پستیوں میں رہنے والے لوگ اپنے ان راہنماؤں کو ہر طرح کی تکلیفیں پہنچاتے خاتم الانبیا حضرت محمد ﷺ کے مخلفین نے تو آزار واذیت کی انتہا کر دی خداوند کریم نے رسول اکرم ﷺ کو تسلی دینے کی خاطر بعض سابقہ انبیاؑ کے ساتھ ان کی امتوں کی کارستانیوں کا ذکر کیا تا کہ اس سے قلب مقدس رسول خدا ﷺ کو ثبات واطمینان خاطر ملے کہ گزشتہ انبیاؑ بھی ایسے نامساعد اور مشکل حالات سے دوچار رہے اور آخر میں ہمیشہ نتائج انبیاؑ کے حق میں رہے، اور مخالفین کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

و کلا نقص علیک من انبا ء الرسل مانثبت به فوادک .....

اور ہم قدیم رسولوں کے واقعات آپ سے بیان کر رہے ہیں تا کہ ان کے ذریعے آپ کے دل کو مظبوط رکھیں اور ان واقعات میں حق، نصیحت اور صاحبان ایمان کے لیے سامان عبرت بھی ہے۔۳۱ علاوہ ازیں وہ واقعات حسن میں نصرت الٰہی انبیاؑ کے شامل ہوئی اثبات نبوت کے لیے بہترین دلیل ہیں

2:**درس عبرت** :۔

قرآن مجید گزشتہ امتوں کے مثبت ومنفی کردار کو نقل کر کے آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے سامان عبرت فراہم کرنا چاہتا ہے عبرت کا معنیٰ ہے عبور کرنا یعنی ان واقعات میں موجود مذموم پہلوؤں سے عبور کر کے صداقت وسعادت کی راہ پر چلنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

لقد کان فی قصصهم عبرةً لاولی الالباب. ۳۲

یقیناً ان واقعات میں صاحبان عقل کے لیے سامان عبرت ہے

مثال کے طور پر صرف سورہ یوسف میں بہت زیادہ سبق آموز درس موجود ہیں

علامہ جوادیؒ فرماتے ہیں: یہ عبرت خیز واقعہ ہے

جس میں نمایاں طور پر حسب ذیل نکات پائے جاتے ہیں

۱۔انسان کو دین و مذہب کے مقابلے میں کسی خواہش کی طرف نہیں جھکنا چاہیے۔

۲۔حق وصداقت اور تقویٰ کی راہ میں کسی بھی مصیبت کی کوئی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔

۳۔مصائب کتنے ہی شدید کیوں نہ ہوں رحمت خدا سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

۴۔سخت ترین حالات میں بھی ظالموں کی خوشامد نہیں کرنی چاہیے۔

۵۔مجرم شرمندہ ہو جائے تو اسے معاف کر دینا چاہیے لہذا اپنا احسان نہیں جتلانا چاہیے وغیرہ۔[۳۳]

اس داستان کے ذریعے فساد کے سب سے بڑے عامل شہوت پرستی اور جنسی بے راہ روی کے سد باب کا فلسفہ بتایا گیا ہے۔

دور حاضر سراسر انتشار، ذہنی پراگندگی، غیر یقینی کیفیت، خواہشات پرستی، بے دینی اور مادی ترقی کے انتہائی عروج کا دور ہے فحاشی وعریانی اور حیوانی جذبات کے معاشرہ میں مذموم خواہشات نفسانی سے بچنے کے لیے حضرت یوسف صدیق -کی زندگی ہمارے لیے ایک عظیم مثال اور نمونہ عمل پیش کرتی ہے۔

ایک صاحب اقتدار، صاحب مال و جمال مصر کی حسین ترین عورت جس کے گھر میں یوسف- ایک غلام ومحکوم کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے ہیں اس عورت کے والہانہ فریفتگی، زبر دست اصرار، بے پناہ ترغیبات وترہیبات، پھر آپؑ کا بھر پور جوانی کا زمانہ، ان ترغیبات کے سامنے حضرت کا مال ودولت، عیش وتنعم، اور حسن و جمال کو ٹھکرانا، طہارت نفس پر باقی رہنا اور پھر عزیز مصر کی بیوی کے انتقامانہ دھمکیوں کی پروانہ کرنا نیز زنان مصر کی عشوہ طرازیوں، کی نظر انداز کرنا اور اس کی بجائے قید و بند کی زندگی کو ترجیح دینا، پاکیزگی روح اور حسن اخلاق کی اس سے

بڑھ کر کہیں مثال نہیں مل سکتی۔

اس مثال کو پیش نظر رکھ کر دور حاضر کے سب سے بڑے فتنے شہوت پرستی وعیاشی کی لعنت سے نجات پائی جاسکتی ہے یہ داستان اور دیگر قرآنی داستانیں ایک ایسا صاف وشفاف آئینہ ہے جس میں نقوش عبرت کو صاحبان علم وتقویٰ مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

خداوند کریم لوگوں سے چاہتا ہے کہ وہ گزشتہ امتوں کی یاد میں رہیں تا کہ ان سے عبرت حاصل کریں۔۳۴

(قد خلت من قبلکم سنن فسیروا فی الارض فانظر وا کیف کان عاقبة المکذ بین هذبیان للناس وهدی وموعظة للمتقین)

تم سے پہلے مثالیں گزر چکی ہیں اب تم زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے یہ عام انسانون کے لیے ایک بیان حقائق ہے اور صاحبان تقویٰ کے لیے ہدایت ونصیحت ہے۔۳۵

اس آیہ کریمہ میں صاحبان ایمان کو دوسری قوموں کے حالات کا جائزہ لینے کی دعوت دی گئی ہے تا کہ دیکھیں کہ انبیا کرامؑ کی اتباع نہ کرنے کا انجام کیا ہوتا ہے اور وعدہ الٰہی پر اعتبار نہ کرنے والے کس طرح تباہی کے گھاٹ اترتے ہیں۔

تاریخی واقعات کی قدر و قیمت اسی وقت ہے جب ماضی کے اس آئینے میں حاضر ومستقبل کا پورا نقشہ آجائے وگرنہ یہ پہلو مدنظر نہ ہوتو مجرد داستان سرائی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

داستان اصحاب کہف سے بھی چند اہم سبق آموز نکات حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔طاغوت کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہواس کے مقابلے میں ڈٹ جانا ممکن ہے

۲۔فاسد ماحول میں ڈھل جانا درست نہیں بلکہ ماحول کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔

۳۔ایمان کے تحفظ کی خاطر قیمتی ترین آسائشات کو ترک کرنا جوانمردی ہے

ہر قسم کی نعمات سے مزین محلات کو چھوڑ کر تنگ وتاریک غار میں پناہ لینا ظلم سے نفرت اور عدالت سے محبت کا بہترین ثبوت ہے اس طرح ہر داستان قرآنی دُرہائے عبرت سے پُر ہے۔علامہ طباطبائیؒ فرماتے ہیں:۔قرآن ''تاریخی کتاب'' کے عنوان سے نازل نہیں ہوا گزشتہ لوگوں کی اچھی یا بری باتیں نقل کرے بلکہ قرآن کتاب ہدایت ہے جو انسانوں کی سعادت کے اسباب وعوامل اور حق کو واضح انداز میں انسانوں کے لیے بیان کرتا ہے تاکہ لوگ ان پر عمل کر کے دینا وآخرت کی سعادت حاصل کریں کبھی قرآن سابقہ انبیاؑ اور گزشتہ امتوں کے کسی ایک پہلو پر روشنی ڈالتا ہے تاکہ بندوں کے درمیان سنت وروش الٰہی کو واضح کرے۔اس ذریعے سے خدا کی عنایت اور توفیق جن کے شامل حال ہو جائے وہ ان واقعات سے نصیحت حاصل کریں اور عبرت لیں نیز دوسروں کے لیے اتمام حجت ہو جائے۔[۳۶]

۳۔**موعظہ**:۔خوف وزجر (دھمکی) سے مرکب ''نصیحت'' کو موعظہ کہا جاتا ہے۔علامہ طبرسیؒ فرماتے ہیں یوعظہ بہ[۳۷](یزجز ویخوف هی)اس حکم کے ذریعے موعظہ کرتا ہے یعنی اس کے سبب سے سرزنش کرتا اور ڈراتا ہے

(فمن جاء ہ موعظة من ربه)[۳۸]

معناه فمن جا ئه زجر ونهی وتذکیر)

جب قرآن کہتا ہے کہ جس کی طرف خدکی جانب سے موعظہ آ گیا یعنی نہی اور یاد دہانی آ گئی[۳۹]

اصل میں نقصان دہ امر کے وقوع اور پسندیدہ شی کے ضیاع سے گھبرانے کا نام خوف ہے۔خوف انسان کے اندر ایک انفعالی کیفیت ہے جو ناگوار چیز کے وقوع اور محبوب چیز کے فوت ہو جانے کی توقع کی بنا پر پیدا ہوتی ہے۔قرآن کو خداوند وقدوس نے موعظہ قرار دیا ہے یعنی ایسی نصیحت ہے جو انسان کو انجام کا اور خطرات سے باخبر کرتے ہوئے اطاعت وفرمانبرداری کی ترغیب دلاتا ہے تاکہ انسان اور معاشرہ اصلاح کی راہ پر گامزن ہو جائے۔مثال کے طور پر زمانہ جاہلیت کی ایک

رسم ''ظہار'' ۴۰ کی طرف اشارہ کرنے کے بعد خدا فرماتا ہے۔

ذالکم توعظون به

یہ خدا کی طرف سے تمہارے لیے نصیحت ہے۔۴۱

یہ آیت اس واقعہ کی طرف متوجہ ہے جس میں ایک عورت کے شوہر نے غصہ میں اگر اپنی بیوی کو ماں کے برابر کہہ دیا تھا اور پھر دونوں شرمندہ ہو گئے تھے تو زوجہ نے رسول خدا ﷺ کی خدمت میں آ کر داستان غم سنائی تو آپؐ خاموش رہے اس نے اصرار کیا تو آپؐ حکم خدا کے منتظر رہے یہاں تک کہ آیت نازل ہوئی ''کہ اظہار کرنے سے عورت ماں نہیں ہو جاتی کفارہ دے کر دوبارہ تعلقات قائم کر سکتے ہیں''۔

کفارہ کا حکم بیان کرنے کے بعد فرمایا

(ذالکم تو عظون به)

اس طرح تمہیں نصیحت کی جاتی ہے کہ آئندہ کوئی جرات نہ کرے اور عورت بھی ایسے اسباب فراہم نہ کرے جس سے ظہار کی نوبت آئے جو ذہنی کرب واضطراب میں مبتلا کر دے یہ کفارہ درحقیقت تمہاری بیداری کا ذریعہ ہے تا کہ تم اس ڈر سے حرام کاموں کے ارتکاب سے محفوظ رہو۔ حضرت یونس- کا قصہ بیان کرنے کے بعد فرمایا

یا ایها الناس قد جا تکم موعظة من ربکم

تمہارے پروردگار کی طرف سے یہ قرآن تمہارے پاس ایک نصیحت ہے۔۴۲

ایسی نصیحت جو انسان کو عذاب الٰہی سے بچا کر اللہ کی اطاعت وبندگی کی جانب ترغیب دیتا ہے۔

قرآن کے بیان کردہ واقعات میں نصیحت بھرے سبق ہیں کہ کفار کی طرح دنیاوی زندگی کو ہدف نہ بنالینا بلکہ اسی زندگی میں عمل صالح کر لیں تا کہ آخرت میں ندامت وشرمندگی کا سامنا نہ کرنا

پڑے۔سورہ ہود میں انبیاؑ کے قصوں کو بیان کرنے کے بعد فرمایا

(وکلا نقص علیک من انبا ء الرسل ما نثبت به فوأدک وجاک فی هذه الحق وموعظة وذکری للمومنین)[۴۳]

اے رسول ﷺ ہم پیغمبروں کے وہ تمام حالات آپ کو بتاتے ہیں جن سے ہم آپ کو ثبات قلب دیتے ہیں اور ان کے ذریعے حق بات آپ تک پہنچ جاتی ہے نیز مومنین کے لیے نصیحت اور یاد ہانی ہو جاتی ہے۔

اس آیہ مجیدہ سے قصص قرآنی کا ایک مقصد یہ بیان ہوا کہ داستانیں اہل ایمان کے لیے وعظ ونصیحت کا بہترین ذریعہ ہیں۔کیونکہ انسان صریح اور واضح امر ونھی سے طبیعتاً گریزاں ہے اس لیے قرآن نے ایک مہربان اور حاذق طبیب کی طرح جو کڑوی اور تلخ دوا کیپسول میں ڈال کر پیش کرتا ہے زندگی کے اہم اصول اور سعادت وکمال کے بنیادی مسائل کو تاریخی قصوں کے بہترین لبادہ میں پیش کیا ہے۔دوسروں کا تذکرہ کر کے اپنے پیروکاروں پر شقاوت اور سعادت کے راستوں کو روشن کیا ہے،اور آئین ہدایت اور اتمام حجت کو عملی جامہ پہنائے تا کہ ایک مومن ان قصوں کی وجہ سے روشن ضمیر انسان بن کر کمال و جمال کے راستے پر گامزن ہو سکے اس طرح داستانی انداز میں تقوی اختیار کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

۴۔ضمیر کی بیداری:۔

قرآمی قصے انسانی شعور اور ضمیر کو بیدار کرنے کا بہترین ذریعے ہیں۔قرآن کہتا ہے۔

اللہ نزل احسن الحدیث کتابا متشابها مثانی تقشعر منه جلود الذین یخشون ربهم ....

اللہ نے بہترین کلام اس کتاب کی شکل میں نازل کیا ہے جس کی آیتیں آپس میں ملتی جلتی ہیں اور بار بار دہراتی گئی ہیں کہ ان سے خوف خدا رکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں،اس کے

بعدان کے جسم اور دل یاد خدا کے لیے نرم ہو جاتے ہیں،۴۴؎

یہی اللہ کی واقعی ہدایت ہے۔انسان کی بدبختی کا سب سے بڑا سبب قساوت قلبی ہے۔یہ قساوت قلبی گناہوں کی کثرت اور یاد خدا سے غفلت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے تربیت انسان کے لیے بہترین عامل بیداری اور ہوشیاری ہے اکثر اوقات گناہ اور نافرمانی،غفلت کی وجہ سے انجام پاتے ہیں۔قرآن کی صفت یہ ہے کہ انسانی دلوں تک نفوذ کر جاتا ہے۔

تقشعرّ(قشعریرہ) سے ہے۔

جس کے کئی معانی ہیں ایک معنی یہ ہے کہ ''بدن کی جلد کا جمع ہونا''جس طرح خوف کے وقت انسان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ بدن کے بال کھڑے ہو جاتے اورلرزہ طاری ہو جاتا ہے۔تفسیر قرطبی میں ہے۔

کان اصحاب البنی اذا قر اعلیھم القرآن .کما نعتھم اللہ. تدمع اعینھم وتقشعر جلودھم

حضرت رسول خدا ﷺ صحابہ کرامؓ کے سامنے جب قرآن کی تلاوت کی جاتی۔جس طرح قرآن نے توصیف کی ہے تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے اور بدن پرلرزہ طاری ہو جاتا۔۴۵؎

داستان درحقیقت غافل انسان کے سامنے اس کے کردار کا آئینہ رکھ دیتی ہے جو اسے ملامت کرتا ہے لہذا احساس ندامت کی وجہ سے دل نرم ہو جاتا ہے اور برائیوں سے پرہیز کرنے کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے

'انہ لتذکرۃ للمتقین ' 'وانہ لحسرۃ علی الکافرین '

یہ پرہیز گاروں کے لیے یقیناً ایک نصیحت ہے اور کفار کے لیے یقیناً باعث حسرت ہے۴۶؎

انسان حسی مثالوں سے زیادہ متاثر ہوتا ہے گزشتہ واقعات انسانی روح پر گہرے اثرات چھوڑتے ہیں کیونکہ قرآن تعلیم وتربیت کی کتاب ہے اس لیے انسانی ضمیر کو جھنجھوڑتی ہے کہ انسان تو کہاں جارہا ہے؟

'فاین تذھبون ان ھو الا ذکر للعالمین '

پھر تم کدھر جارہے ہو؟ یہ تو سارے عالمین کے لیے نصیحت ویاد ہانی کا سامان ہے۔[۴۷]

حضرت رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں:۔

لا تغفل عن قرآت القرآن فان القرآن یحیی القلب وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی

قرآن کی تلاوت سے غفلت نہ کرو کیونکہ قرآن دلوں کو زندہ رکھنے بغاوت، برائی اور بے حیائی سے روکنے کا بہترین ذریعہ ہے[۴۸]

بنا براین قرآن جہاں علماء اور اہل فکر ونظر کے لیے بیداری کا موجب ہے وہاں سادہ ذہن رکھنے والوں کے لیے بھی قصہ کے ذریعے بیداری کا باعث ہے۔

☆☆☆☆

حوالہ جات

۱:۔ سورہ اسراء ۱۷، ۹

۲:۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۸

۳:۔ سورہ ص ۳۸، آیت ۲۹

۴:۔ محمد ۲۷، آیت ۲۴

۵:۔ شیرازی، ناصر مکارم، تفسیر نمونہ ج ۲۱، ص ۲۴۹

۶:۔ آل عمران ۳، ۷

۷:۔ انعام ۶، ۳۸

۸:۔ النحل ۱۶، ۸۹

۹:۔ طہرانی، محمد حسین، نور ملکوت قران

۱۰:۔ مفردات راغب، ص ۴۷۱

۱۱:۔ قصص ۲۸، ۱۱

۱۲:۔ القرطبی، محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن ج، ۹

۱۳:۔ یوسف ۱۲، ۱۱۱

۱۴:۔ قصص ۲۸، ۲۰

۱۵:۔ یوسف ۱۲، ۳

۱۶:۔ فروغ اللغۃ، ص ۲۹، نقل از ماہنامہ المیزان جنوری مارچ ۱۹۹۹

۱۷:۔ ابن سرور محمد اویس، المعجم الوسیط 'مادہ حکی' یحکی

۱۸:۔ ہود، ۱۱، ۴۹

۱۹:۔ یوسف ۱۲، ۱۱۱

۲۰:۔ خمینی، روح اللہ، تفسیر سورہ حمد، ص۱۰۳
۲۱:۔ شیرازی، ناصر مکارم، تفسیر نمونہ ج۹، ۳۰۴
۲۲:۔ نہج البلاغہ، نامہ ۳۱
۲۳:۔ کلینی، محمد یعقوب، اصول کافی، ج۲، ص۵۹۹
۲۴:۔ یوسف ۱۲، ۳
۲۵:۔ قصص ۲۸، ۲۴
۲۶:۔ قصص ۲۸، ۲۴
۲۷:۔ انبیاء ۲۱، ۲۸
۲۸:۔ انبیاء ۲۱، ۵۰
۲۹:۔ انبیاء ۲۱، ۹۰
۳۰:۔ الحکیم، محمد باقر، علوم قرآن، ص، ۱۷۸
۳۱:۔ ہود، ۱۱، ۱۲۰
۳۲:۔ یوسف، ۱۲، ۱۱۱
۳۳:۔ جوادی، ذیشان حیدر، انوار القرآن، ص۵۲۹
۳۴:۔ جوادی، آملی عبداللہ، تفسیر موضوعی، قرآن کریم، ج۶، ص۴۰
۳۵:۔ آل عمران، ۳، ۱۲۸، ۱۳۷
۳۶:۔ طباطبائی محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، ج۱۰، ص۲۴۷
۳۷:۔ البقرہ، ۲، ۲۳۲
۳۸:۔ البقرہ، ۲، ۲۷۵
۳۹:۔ طبرسی، الفضل بن الحسن، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ج، ۱، ص۴۰

۴۰:۔ عرب جاہلیت کی ایک رسم جس کے تحت اگر انسان اپنی زوجہ سے یہ کہہ دیتا کہ تو میری ماں کی پشت کے برابر ہے تو اس عمل کے بعد طلاق ہو جاتی ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی تھی۔

فقہ جعفریہ کے مطابق چند شرائط کے تحت ''ظہار'' کرنے سے بیوی حرام ہو جاتی ہے البتہ کفارہ دے کر دوبارہ حلال ہو جاتی ہے۔

۴۱:۔ المجادلہ ۵۸،۳

۴۲:۔ یونس ۱۰،۵۸

۴۳:۔ ھود ۱۱،۱۲۰

۴۴:۔ زمر ۳۹،۲۳

۴۵:۔ القرطبی، محمد بن احمد، الجامع الاحکام القرآن ج ۱۵، ص ۱۴۱

۴۶:۔ الحاقہ ۴۹،۴۸،۵۰

۴۷:۔ التکویر ۸۱،۲۶،۲۵

۴۸:۔ ری شہری، محمد، میزان الحکمہ ح ۱۶۵۱۳

عزاداری قرآن وسنت کی روشنی میں

از مبلغ اعظم مولانا محمد اسماعیل (مرحوم)

منجملہ مسائل کے جن کی وجہ سے حامیان اہل بیتؑ وعزادران امام مظلوم کو مطعون قرار دیا جاتا ہے۔ان میں سے اہم مسئلہ عزاداری اور مراسم عزا ہے اور اس کے بجالانے پر شیعیان علی ابن ابی طالب- کو ہر فتویٰ سے نوازا جاتا ہے کہ

۱۔یہ عزاداری بدعت ہے۔ ۲۔قرآن حدیث میں اس کا کوئی ثبوت نہیں؟

۳۔اور نہ ہی یہ مسئلہ سنت انبیاؑ ،سنت آئمہ اہل بیتؑ اور سنت صحابہؓ سے ثابت ہے؟

ان مذکورہ بالا اعتراضات کا جواب دینے سے پہلے ہم قرآن مجید سے اس مسئلہ کا اثبات کرتے ہیں۔کہ مذکورہ مسئلہ کا ملت ابراہیمی سے کس قدر واسطہ وتعلق ہے کیونکہ ہمیں بحیثیت مسلمان 'فَاتَّبِعُوْ مِلَّةَ ابراهِيْمَ' العمران ۹۵ کے تحت ملت ابراہیمی کی پیروی کا حکم ہے۔

تا کہ اس کو بدعت کہنے والے یا خلاف اسلام قرار دینے والے اپنی شرعی ذمہ داری کا احساس کریں کہ جس چیز کی حرمت کے بارے میں اللہ نے انہیں اختیار ہی نہیں دیا یا جس مسئلہ کو اللہ تعالیٰ نے حرام حتی کہ مکروہ تک نہیں کہا اسے یہ مفتیان دین خلاف قرآن کیوں حرام قرار دیتے ہیں۔ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے۔

﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولئکَ هم الفاسقون ،فَاُولئکَ هم الكافرونَ﴾

سورہ مائدہ آیت ۴۷

کہ جو حضرات ایسا فتویٰ دیتے ہیں کہ جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا وہ لوگ تو خود فاسق ،کافر اور ظالم ہیں ۔جب کہ مراسم عزاداری (سینہ زنی ،تعزیہ ،تابوت وغیرہ) کی حرمت پر پورے قرآن میں ایک آیت بھی موجود نہیں کہ جس میں ان مراسم کو بجالانے سے منع کیا گیا ہو یا ان کو حرام قرار دیا گیا ہو جب کہ اس کے برخلاف دسیوں آیات مبارکہ میں ماتم ،حزن وغم اور آہ

بکا، کے جواز کو ذکر کیا ہے۔

مثلاً سورہ النساء آیت نمبر ۱۴۸ چھٹا پارہ یہاں آیت میں ان مراسم کو بجالانے کا مظلوم کو پورا حق حاصل ہے کہ وہ ظالم کے ظلم کے خلاف واویلا اور ظالم کی برائی اور عیب کو بیان کر سکتا ہے۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ ہمارے مراسم عزا کو بجالانے کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے کہ اپنے نوحوں مرثیوں، آہ بکا، ماتم کے ذریعے ظالم کے ظلم کو اور اس سے نفرت کو، اور مظلوم کی مظلویت اور اس کی حمایت کرنا ہے تا کہ لوگ ظالم اور مظلوم میں فرق کریں اور مظلوم سے محبت اور ظالم سے نفرت کریں۔ چنانچہ ارشاد رب العزت ہے۔

﴿لا يُحِبُّ اللَّهُ الجَهُرَ بِالسُوُ ءِ من القَوُلِ اِلَّا مَنُ ظَلِمَ﴾ سورہ النساء آیات ۱۴۸

کہ اللہ تعالیٰ بلند آواز سے کسی کی برائی بیان کرنے کو پسند نہیں کرتا مگر مظلوم کو حق حاصل ہے کہ وہ ظالم کے خلاف جزع وفزع کا اظہار کرے چنانچہ بخاری شریف جیسی مستند کتاب میں ہے۔

(الجزع القول اسئی واظن السوء)

کہ قول سوٴ سے مراد جزع وفزع اور ظن سوٴ بھی

اس کی شرح میں مولانا انور شاہ کشمیری 'فیض الباری' جلد ۲ صفحہ ۴۶۲ میں تحریر کرتے ہیں۔

(الجزع القول ازوبه تحيد الجزع الممنوع ولكسنر اين لحيصل)

کہ قول سود سے مراد جزع ہے جو ممنوع ہے مگر مظلوم کی خاطر جائز ہے

(كمافى براهين ماتم)باقى (شرع لكم من الدين ما وصى به نوحا والذى اوحيناالیک وما وصينا به ابراهيم ....) اور **﴿واتبع ملت ابراهيم﴾**

کے تحت مراسم عزا کی اصل ملت ابراہیمی میں بھی موجود ہے اور بلکہ بعض انبیّا کے عمل سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ بانی ومدون شریعت حضرت ابراہیم - کی زوجہ محترمہ جناب سارہؑ کا چہرہ پیٹنا واویلہ کرنا اور چیخیں مارنا اور حضرت ابراہیم - کے پوتے حضرت یعقوب - کا اپنے

فرزند حضرت یوسف- کے غم میں اس قدر گریہ وزاری اور آہ وبکاء کی کہ جس کی وجہ سے ان کی آنکھیں ضائع ہوگئیں یہ سب کچھ تو قرآن مجید سے ثابت ہیں ۔جناب سارہ کے متعلق سورہ مبارکہ، والذاریات آیت نمبر۲۹، پارہ نمبر۲۶ کے آخر میں ہے۔

﴿فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِی صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا﴾

کہ جناب سارہ فرشتوں کے سامنے اس حالت میں آئیں کہ آپ زور زور سے اپنا چہرہ پیٹ رہی تھیں ۔(صرۃ) کا معنی لغت میں زور سے چیخنا چلانا اور (صکت) کا معنی طمانچہ مارنا اور تمام مستند کتب تفاسیر میں مفسرین نے یہی معنی لکھا ہے ۔کتب تفسیر میں سے سب سے زیادہ مستند ترین کتاب (تفسیر ابن جریر طبری، جلد۲۶۔صفحہ۲۷) پر بقول حضرت ابن عباس مجاہد، قتادہ کے (صرۃ) کا معنی چیخیں مار کر رونا لکھا ہے۔

نیز (صکت) کا معنی بقول ابن عباس ،سفیان ۔ثوری ،ابن سابط (ضربت اور لطمت) لکھا ہے ۔نیز تفسیر القرطبی جلد نمبر ۱۷۔صفحہ ۴۴، تفسیر البحر المحیط جلد ۸ صفحہ ۱۹۸ کے علاوہ دیگر کتب تفاسیر میں بھی (صرۃ) اور (صکت) کے یہی معنی کئے گئے ہیں ، نیز یہ بھی یاد رہے کہ حضرت سارہ کے اس ماتم واویلا کو سورہ ہود آیت نمبر۷۲ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

﴿قالت یا ویلتیٰ ا الدوانا عجوز﴾

کہ آپ فرشتوں کے سامنے اپنے چہرے پر ماتم کرتی چیخیں مارتی اور ہائے وائے کرتی ہوئی آئیں ۔البتہ بعض لوگوں جناب حاجرہؑ کے اس فعل کو حجت نہیں مانیں گے اور کہیں گے کہ یہ فعل زوجہ ابراہیم نے کیا خود حضرت ابراہیم نے تو ایسا نہیں کیا۔ایسا اس لیے صحیح نہیں کیونکہ صفا ومروہ کے درمیان سعی بجالانا جو کہ مناسک حج میں سے ہے یہ سعی بجالانا اسی حضرت حاجرہؑ مادر اسماعیل کا فعل ہے حضرت ابراہیم کا فعل نہیں ہے۔تو جب سعی صفا ومروہ فعل جناب حاجرہؑ حجت ہے تو حضرت حاجرہؑ کا ماتم وواویلا کیوں حجت نہیں؟

تو جب قرآن مجید میں ندبہ ونوحہ وواویلا اور چہرے کو پیٹنا اور حضرت یعقوب- کا غم یوسف-

میں رو رو کر آنکھوں کا ضائع کر دینے کا ثبوت بھی موجود ہے اور ان افعال کے بجالانے پر قرآن مجید میں کسی قسم پر منع کرنا یا کسی قسم کا وعدہ یا عذاب کا نہ ہونا یہ سب کچھ موجود ہوتا ہے ماتم کے جائز ہونے کے لیے اس سے زیادہ کیا ثبوت ہو سکتے ہیں۔ نیز یہ تمام افعال خلاف صبر یا خلاف شریعت نہیں بلکہ ملتی ابراہیمی میں جائز ہیں ورنہ وارث ابراہیم -حضرت یعقوب- اور جناب حاجرہؑ نہ بجالاتے اسی طرح حضرت یوسف- کے قصہ میں آپ کے والد جناب یعقوب

یا اسف علی یوسف،اور(**ابضیت عیناہ من الحزن**)

یہ قول اور فعل ماتم اور واویلا کے جائز ہونے کی دلیل ہے اور غم معصوم میں افسوس کرتے ہوئے کثرت گریہ و بکاء سے اپنی آنکھوں کو ضائع کر دینا سے زنجیر زنی کا جائز ہونا ثابت کرتا ہے۔اس کے علاوہ تعزیہ یا تابوت کا ثبوت بھی موجود ہے۔

چنانچہ دوسرے پارہ کے آخری رکوع سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۴۸ میں آل موسیٰؑ اور آل ہارون کے تابوت کا ذکر موجود ہے۔ نیز اس تابوت کی عزت و احترام کا بھی ذکر ہے کہ اسے فرشتے اٹھائے ہوئے تھے نیز اس تابوت میں چونکہ آل موسیٰ- اور آل ہارون جو کہ حقیقت میں آل ابراہیم ہی ہیں کے تبرکات اور باقیات موجود تھیں انہی باقیات وتبرکات کی وجہ سے وہ تابوت باعث سکینہ ووقار تھا لوگ اس کے سبب فائدہ اور مرادیں بھی حاصل کرتے تھے حتی کہ جب سے میدان جنگ میں رکھتے تھے تو اس تابوت کی برکت سے انہیں دشمن پر فتح حاصل ہوتی تھی۔ برادران اسلام کو تابوت سے بھی نفرت ہے جب کہ خداوند تعالیٰ نے تابوت کے مقام ومنزلت اور فائدہ کو صاف طور پر بیان فرما دیا ہے حالانکہ وہ تابوت ایک صندوق تھا جس میں حضرت ابراہیم -کی آل کے تبرکات تھے۔تو جب آل موسی -وآل ھارون کے تابوت اس قدر تبرک اور معجزہ نما ہے تو آل محمد - جو کہ حقیقت میں آل ابراہیم -سے ہیں۔ اور علی مثل ھارون ہیں۔ چنانچہ ﴿**انا ارسلنا الیکم رسولا شاھد اًعلیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولہ**﴾

اور(یا علی انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ) اس پر شاہد ہیں۔تو جب آل موسیٰ اور آل ھارون کے تابوت اس قدر متبرک ومقدس ہے تو آل محمد ﷺ کا تابوت مقدس کیوں نہیں۔

تاریخ طبری۔تحفہ اثناعشری محدث دہلوی سب سے پہلے تابوت امیر مختار نے تابوت بنایا تابعین نے کندھا دیا اور کسی صحابی اور تابعین میں سے کسی نے منع نہیں کیا۔قرآن مجید کے علاوہ احادیث نبویہ اور آثار صحابہ میں جواز ماتم کے بارے میں صرف اقوال ہی نہیں بلکہ عمل رسالت،عمل صحابہ سے بھی ماتم ،مرثیہ،نوحہ،ندبہ،آہ بکا،گریہ وزاری،اور سر میں خاک ڈالنا وغیرہ سب کچھ موجود ہے اور خصوصا غم امام حسین- میں خود پیغمبر ﷺ گریہ فرمانا سر اور ریش اقدس میں خاک ڈالنا اور خاک کربلا منگوا کر اپنے گھر میں بطور شبیہ بنا کر رکھنا،رسالتماب ﷺ کا اس خاک کو سونگھا اور حضرت ام سلمہ ×کو اس کی حفاظت کی وصیت کرنا یہ سب کچھ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

اسی طرح حضرت امام حسین- کی شہادت کے بعد آسمان سے خون برسنا اور زمین سے خون نکلنا حتی کہ بیت القدس سے بھی خون کا نکلنا اور اس پر صحابہ وتابعین کی گواہی کتب احادیث میں موجود ہے۔جیسا کہ یہ سب کچھ اس رسالہ میں موجود ہے ان تمام حقائق کے باوجود و برادران اسلام کا مراسم عزاداری پر اعتراض کرنا چہ معنی دارد؟ مذکورہ رسالہ میں ہم ان تمام مسائل سے متعلق برادران اسلام کی مستند کتب احادیث و تاریخ سے بطور اختصار چند روایات کو ذکر کیا ہے۔مسئلہ عزاداری سے متعلق کیے جانے والے اعتراضات کے جوابات کو قرآن وسنت کی روشنی میں تحریر کیا ہے۔

تعیین مکان شهادت درا حادیث نبوی ﷺ

امام بخاری نے اپنی کتاب التاریخ الکبیر ج۔۲ص۔۳۰ برقم صحابی رسول حضرت انس بن الحارث کے حالات میں حافظ ابن اثیر جزری نے (اسد الغابہ ج۔اص۔۱۷۱) حافظ ابن عبد

البر نے (الاستیعاب ج۔اص۔۲) حافظ ابن حجر نے والاصابۃ (ج۔اص۔۲۷۱) جب کہ مشہور مورخ ومفسر وفقیہ ومحدث حافظ ابن کثیر دمشقی نے والبدایۃ والنہایۃ جلد۸صفحہ۱۳۹ میں صحابی رسول ﷺ حضرت انس بن حارث سے روایت کیا ہے۔

قال سمعت رسول الله بقول ان ابعیی یعنی الحسین یقتل بارض یقال لها : کربلا فمن شهد منکم ذلک فلینصره فخرج انس بن الحارث الی کربلا مع الحسین

کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تحقیق میرے فرزند حسین- کو سرزمین کربلا پر شہید کیا جائے گا پس تم میں سے جو بھی اس وقت موجود ہو اسے چاہیے کہ حسین کی صدا **(هل من ناصر ینصر نا)**

پر لبیک کہے لہذا راوی حدیث حضرت انس بن حارث حکم رسول کی اطاعت کرتے ہوئے امام حسین- کی معیت میں شہید ہوئے۔اس حدیث شریف میں مکان شہادت امام حسین- کی **یقتل بارض یقال لها کربلا** سے تعیین فرما دی .اور **(فمن شهد منکم ذلک فلینصز)** سے نصرت امام حسین- کی ترغیب دلائی اسی لیے امام حسین- نے بھی میدان کربلا میں **(هل من ناصر ینصر نا)** کہہ کر اتمام حجت کی تا کہ بروز قیامت کوئی یہ عذر نہ کر سکے کہ ہمیں تو امام حسین- کی نصرت کے لیے پکارا ہی نہیں گیا۔

لیکن رسالتماب ﷺ کی تاکید اور وصیت کے باوجود صحابہ کرام کی اکثریت نے امام حسین- کا ساتھ دینے کی بجائے یزید کی حمایت کی بلکہ یزید کی بیعت کو بیعت خدا اور رسول ﷺ قرار دیا جیسا کہ بخاری شریف جلد۲۔صفحہ۱۰۵۳۔احادیث نمبر۱۱۱۷ میں شیخ الصحابۃ کا یہ قول موجود ہے۔

انما بایعناه (یزید)علی بیع الله ورسوله

کہ ہم نے یزید کی بیعت ایسے کی ہے جیسے خدا اور رسول ﷺ کی بیعت کی ہے نیز کہا۔

وانی لا اعلم غدرا اعظم من ان یبایع رجل علی بیع اللہ ورسولہ ثم ینصب لہ القتال وانی لا اعلم احدا منکم خلعہ ولا بایع فی ھذا الامر الا کانت الفیصل ابینی و بینہ

اور میرے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کیا عہد شکنی ہوسکتی ہے کہ ایک آدمی کی بیعت اللہ ورسولؐ کے نام پر کی جائے پھر اس سے جنگ کی جائے نیز جس نے بیعت یزید سے انکار کیا یا کسی اور کی بیعت کی تو میرا اور اس کے درمیان بائیکاٹ ہوگا۔

بیعت اور خلافت یزید کے بارے میں یہ کسی معمولی آدمی کے تاثرات نہیں بلکہ یہ حضرت عمر کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر کے تاثرات ہیں۔ اور صحیح مسلم جلد۲ صفحہ ۱۲۸ کی روایت کے مطابق تو بیعت یزید کے بارے میں یہاں تک کہا کہ (**ومن مات ولیس فی عنقہ بیعۃ میتۃً جاھلیۃً**) جو یزید کی بیعت توڑے گا وہ جاھلیت کی موت مرے گا۔

امام حسین - کے گرنے پر رسول خداﷺ صبر نہ کر سکے

(فلم اصبر حتی قطعت حدیثی)

امام ترمذی نے جامع الترمذی نے باب مناقب الامام الحسن والحسین حدیث نمبر ۳۷۷۴۔اور ابوداود نے اپنی کتاب السنن کتاب الصلاۃ باب الامام یقطع الخطبۃ حدیث نمبر ۹۔۱۱۔اور امام نسائی نے کتاب السنن، کتاب الجمعۃ باب نزول الامام عن المنبر حدیث نمبر ۱۴۱۴ ۔اور ابن ماجہ نے کتاب السنن کتاب اللباس باب الاحمر للرجال حدیث نمبر ۳۶۰۰ اس کے علاوہ دسیوں کتب تفاسیر، کتب احادیث اور کتب رجال میں یہ حدیث موجود ہے اور امام ذہبی نے اسے صحیح علی شرط مسلم کہا ہے۔

جیسا کہ تلخیص المستدرک جلد ا۔صفحہ ۲۸۷۔حدیث نمبر ۱۰۵۹ کتاب الجمعہ میں ہے چنانچہ تمام اصحاب سنن نے (**حسین بن واقد عن ابیہ عن عبدا اللہ بن بریدۃ قال**

سمعت ابی یقول کا ن رسول الله یخطبنا اذ جا ء الحسن و الحسین قمیصان احمران یمشیان ویعثرا ن فنزل رسول الله من المنبر فحلهماو و ضعهما بین یدیه ثم قال : صدق الله ﴿انما اموالکم و اولادکم فتنة نظرت الی هذین الصبیین یمشیان ویعثران فلم اصبر حتی قطعت حدیثی و ر فعتهما ﴾

مشہور صحابی رسول ﷺ حضرت بریدہ اسلمی کا بیان ہے کہ رسالتماب ﷺ بروز جمعۃ المبارک کا خطبہ دے رہے تھے اس دوارن امام حسن - اور امام حسین - اس حالت میں تشریف لائے کہ دونوں شہزادے سرخ رنگ کے کرتے پہنے ہوئے چل رہے تھے اور چلتے چلتے زمین پر گر جاتے تھے۔ پیغمبر اسلام ان دونوں نواسوں کا گرنا برداشت نہ کر سکے آپ فوراً منبر سے نیچے اترے اور دونوں کو اٹھایا اور اپنے سامنے بٹھایا پھر فرمایا کہ اللہ نے سچ فرمایا کہ (تمہارا مال اور اولاد تمہارے لیے باعث آزمائش ہیں) اور میں نے جب ان دونوں کو اس حالت میں دیکھا تو ان کو گرنا دیکھ کر مجھ محمد ﷺ سے صبر نہ ہو سکا یہاں کہ میں نے اپنے خطبہ کو قطع کر دیا اور ان دونوں کو اٹھا لیا۔ (نیز امام حاکم اور حافظ ذہبی نے 'المستدرک ۴۔۱۹ حدیث نمبر ۷۳۹۶ پر سے صحیح علی شرط الشیخین قرار دیا ہے') یہ حدیث مبارک سند کے اعتبار سے سب سے زیادہ صحیح (اصح الاسانید) ہے۔ نیز یہ حدیث جامع الترمذی، سنن ابی داود سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کے علاوہ حدیث کی دیگر مستند کتب میں بھی موجود ہے۔ جیسے (السنن الکبری) تالیف امام نسائی جلد ا۔ص ۵۳۵ حدیث ۱۷۳۱۔ اور حافظ ابوبکر البیہقی نے (السنن الکبری جلد ۳ صفحہ ۳۰۹ حدیث ۵۸۱۹ ۔المعجم الکبیر جلد ۴ صفحہ ۱۹۰ حدیث ۷۳۹۶، مسند احمد جلد ۵۔صفحہ ۳۵۴، حدیث ۲۲۴۸۶، تفسیر ابن جریر طبری۔ جلد ۸۲۔صفحہ ۱۶۰ حدیث نمبر ۲۶۵۰۳۔ تفسیر ابن کثیر صفحہ)

اس حدیث مبارک سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ امام حسن - اور امام حسین - کے بارے میں عدم صبر کا اظہار کرنا سنت رسولخدا ﷺ ہے۔ کیونکہ جب رسالت مآب ﷺ مسجد نبوی میں خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے تو اسی دوران امام حسن - اور امام حسین - مسجد کی طرف

آرہے تھے اور چلتے چلتے گر جاتے تھے تو رسول خدا ﷺ ان کا گرنا برداشت نہ کر سکے آپؐ نے خطبہ جمعہ کو موقوف فرمایا اور خود ہی جا کر حسنین شریفین کو اٹھا کر اپنے ساتھ منبر پر بٹھایا حالانکہ کسی صحابی سے بھی فرما سکتے تھے کہ جاؤ ان دونوں بچوں کو اٹھا لاؤ۔ جب رسول اسلام ﷺ جیسی ہستی امام حسن- اور امام حسین- کا مسجد میں گرنا برداشت نہیں کرتی تو جب امام حسین- کربلا میں زخمی ہو کر گھوڑے سے گرے تو ہم شیعہ کیسے صبر برداشت کریں؟

جب کہ رسالتماب ﷺ نے ان کا مسجد میں گرنا بھی برداشت نہیں کیا حالانکہ مسجد بھی اپنی منبر بھی اپنا خطبہ بھی اپنا بیان بھی اپنا نمازی بھی اپنے آپ نے فرمایا (**فلم اصبر**) کہ حسین- کے گرنے پر مجھ محمد سے صبر نہ ہو سکا۔ تو جب امام حسین- کے بارے میں محمد رسول اللہؐ سے صبر نہ ہو سکے۔ تو عزادارن امام حسین- کو صبر کی آیات سننے والے رسول خدا ﷺ کے بارے میں کیا کہتے ہیں گویا امام حسین- کے غم میں عدم صبر کا مظاہرہ سنت رسولخدا ﷺ ہے۔

خبر شہادت پر رسول خدا ﷺ کا گریہ فرمانا

امام طبرانی نے 'المعجم الکبیر ۳-۱۲ حدیث نمبر ۲۸۶۱ پر عبداللہ بن عمر اور حضرت معاذ بن جبل سے روایت کیا ہے '(**از قال : خرج علینا رسول الله متغیر اللون فقال : نعیی الی حسین و اتیت بتربته و اخبرت بقا تله فهم ذرفت عینا ﷺ ثم قال 'یزید لا یبارک الله فی یزید**') کہ رسالتماب ﷺ ہمارے ہاں اس حالت میں تشریف لائے کہ غم اور غضب کی وجہ سے آپ کا رنگ متغیر تھا پھر آپ نے فرمایا کہ میری طرف میرے فرزند حسین- کی شہادت کی خبر اور اس کی مقتل گاہ کی مٹی لائی گئی ہے اور مجھے اس کے قاتل کے بارے میں بھی خبر دے دی گئی ہے۔

اس کے ساتھ ہی آپ گریہ کر رہے تھے اور یزید پر ان الفاظ میں نفرین فرما رہے تھے۔ یزید کی عمر میں اللہ برکت نہ دے۔ اس حدیث میں رسالتماب ﷺ نے خبر شہادت پر گریہ فرمایا اور ان کے قاتل یزید پلید کی نشاندہی بھی فرما دی اور اس پر بددعا بھی کی۔

گریہ رسول خدا ﷺ بر سید الشھداء

حافظ ابوبکر بیہقی نے دلائل النبوۃ جلد ۶ صفحہ ۴۶۹ پر حضرت اُمّ الفضل بنت الحارث سے اور ان سے حافظ ابن کثیر نے 'والبدایۃ والنہایۃ جلد ۶ صفحہ ۱۶۹' پر اور حافظ خطیب تبریزی نے مشکوۃ شریف صفحہ ۵۷۲ اور امام حاکم نے 'المستدرک جلد ۳ صفحہ ۱۷۷ احدیث نمبر ۴۸۱۸' پر روایت کیا ہے اور اسے حدیث صحیح علی شرط الشخین قرار دیا ہے۔

(عن ام الفضل بنت الحارث انها)(دخلت علی رسول الله فقالت یا رسول الله انی رایت حلما منکر ا اللیة قال ماهو قالت : انه شدید قال ماهو قالت رایت کان قطعة من جسدک قطعت و وصت فی حجری فقال رسول الله رایت خیرا تلد فاطمة ان شا الله غلاما فیکون فی حجرک فولدت فاطمة الحسین فکان فی حجری کما قال رسول الله قد خلت یوما الی رسول الله فو ضعته فی حجره تم حانت منی التفاتة فاذا عینا رسول الله تهریقان من الدموع قالت فقلت : یا نبی الله بابی انت واُمی ما لک ؟ قال آتانی جبریل فاخبرنی ان امتی ستقتل ابنی هذا فقلت هذا ؟فقال نعم واتانی تبربة من تر تبه حمر ا) حضرت ام الفضل کا بیان ہے کہ میں رسولخدا ﷺ کے پاس گئی تو میں نے کہا کہ یارسول خدا ﷺ آج رات میں نے ایک عجیب وغریب خواب دیکھا ہے آپؐ نے فرمایا کہ وہ کیا ہے تو میں نے کہا کہ اس کا بیان کرنا بھی مشکل ہے۔تو آپ نے کہا وہ کیا ہے؟ تو میں نے کہا کہ میں خواب میں دیکھا ہے کہ آپ ﷺ کے جسم مبارک کا ایک حصہ کٹ کر گود میں رکھا گیا ہے۔تو آپ نے اس کی تعبیر یہ فرمائی کہ تو نے خواب صحیح دیکھا ہے عنقریب میری دختر فاطمہ= سے ایک فرزند پیدا ہوگا اور وہ تیری گود میں آئے گا۔

چنانچہ امام حسین- پیدا ہوئے اور میں ان کو اٹھا کر رسولخدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور میں نے امام حسین-کو آپؐ کی گود میں رکھ دیا اچانک میں کیا دیکھتی ہوں کہ آپ

گریہ فرمارہے ہیں تو میں نے از راہ تعجب سوال کیا کہ کیا وجہ ہے؟ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ نے فرمایا کہ ابھی میرے پاس جبریل آمین تشریف لائے اور انہوں نے مجھے خبر دی ہے۔ کہ تحقیق عنقریب میری امت میرے اس فرزند کو شہید کرگی تو میں نے کہا کہ کیا اسی بچے کو فرمایا کہ ہاں اور جبریل نے مجھے صرف اس شہادت ہی کی نہیں بلکہ جبریل نے مجھے حسین- کے مقتل گاہ کی تربت بھی دی ہے اس مضمون کی روایات کم از کم پندرہ صحابہ کرام سے مروی ہیں جن میں سے امیر المومنین امام علی -حضرت ابن عباس ام المومنین حضرت ام سلمہ ÷حضرت انس حضرت ابو ہریرہ ،حضرت عائشہ۔حضرت عبد اللہ ابن خطب ،حضرت ابو بکر ،حضرت عمر۔کی روایات کتب جوامع مسانید ،مستدرکات ،معاجم اور کتب سنن میں بکثرت موجود ہیں ۔اکثر روایات کو حافظ ابوعبداللہ ذہبی ،امام حاکم کے علاوہ کئی ایک محدثین نے صحیح اور حسن قرار دیا ہے۔

اعلان امیر المومنین علی ابن ابی طالب - در جنگ صفین

امام احمد بن حنبل نے 'المسند ۱۔۸۵حدیث نمبر ۶۴۹' حافظ ابو ایعلیٰ موصلی نے المسند ۱۔۱۸۷حدیث نمبر ۳۵۸' اور ابوالقاسم طبرانی نے 'المعجم الکبیر ۳۔۱۰۵' حدیث نمبر ۲۸۱۱ پر امیر المومنین علی ابن ابی طالب- سے روایت کی ہے۔

'وقال احمد ثنا محمدبن جنید ،ثنا شر جیل بن مدرک عن عبدالله بن یحیی ،عن ابه انه سارمع علی ،وکان صاحب مطهرته ،فلما حاذی نینویٰ وهو منطلق الی صفین فنادی 'اصبر ابا عبد الله ،اصبر ابا اعبد الله بشط الفرات قلت :وما ذا ؟قال دخلت علی النبیی ذات یوم وعینا ه تفیضان قلت : یا نبیی الله : اغضبک احد ما شان عینیک تفضیان ؟ قال 'بل قام من عندی جبریل فحدثنیی ان الحسین .یقتل بشط الفرات قال : فقال هل لک الی ان

اشمک من تربته قال ،قلت نعم فمد یده فقبض قبضة من تراب فاعطا ینها فلم املک عینیی ان فاضتا '

اس (حدیث کی سند کے تمام روای ثقہ عادل ہیں) ترجمہ مشہور تابعی عبداللہ بن نجی اپنے باپ سے بیان کرتا ہے کہ وہ حضرت علی - کے ساتھ جنگ صفین پر جاتے ہوئے جب مقام نینویٰ سے گزرے تو امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب - نے دریائے فرات کے کنارے کھڑے ہوکر بلند آواز سے اپنے فرزند امام حسین - کو مخاطب ہوکر فرمایا اے ابوعبداللہ صبر کرنا اے ابوعبداللہ صبر کرنا تو روای کا بیان ہے کہ میں نے آپ - سے آواز اور فریاد کی وجہ پوچھی تو امیر المومنین - نے فرمایا کہ میں ایک دن رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ اس وقت گریہ کررہے تھے تو میں نے گریہ کا سبب پوچھا کہ اے خدا کے رسول ﷺ کیا آپ کو کسی نے ناراض کیا ہے۔

جس کی وجہ سے آپؐ اس قدر گریہ فرمارہے ہیں اور آپ کی آنکھوں کی عجیب حالت ہے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے کسی نے ناراض نہیں کیا بلکہ آپ کے آنے سے پہلے جبریل آمین آئے تھے اور انہوں نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ آپ کے فرزند حسین مظلوم کو نہر فرات کے کنارے شہید کیا جائے گا اور اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو وہاں (مقتل گاہ) کی تربت بھی لاکر دکھا سکتا ہوں تا کہ آپ اس کو سونگھ سکیں پس جبریل آمین نے اپنے ہاتھ کو دراز کیا اور وہاں سے ایک مٹھی خاک کربلا لاکر مجھے دی پس میں اس وقت سے غم حسین - میں گریہ کررہا ہوں اور میں اپنی آنکھوں پر قدرت نہ رکھ سکا۔ حافظ ابن کثیر نے ابن سعد سے حضرت علی - کی زبانی روایت کرتے ہیں۔

'وقد روی محمد بن سعد وغیره من غیر وجه عن علی ابن ابی طالب - انه مر بکر بلا وعند اشجار الحنظل وهو ذاهب لصفین فسأل عن اسمها فقیل کربلا فقال :

کرب وبلا فنزل وصلی عند شجرة هناک ثم قال یقتل ههنا شهداءَ هم خیر الشهداء.....یدخلون الجنة بغیر حساب واشار الی مکان هناک فعلموه بشیی فیه الحسین - '(البدایۃ والنھایۃ ۷۔۱۴۱)

ابن سعد نے متعدد اسانید سے حضرت علی - سے روایت کی ہے کہ آپ نے جنگ صفین کے موقعہ پر جب کربلا میں پہنچے تو وہاں اشجار خظل کے مقام پر لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون سی جگہ ہے تو لوگوں نے کہا کہ یہ کربلا ہے تو آپ نے فرمایا کہ واقعی یہ کرب وبلاء ہے آپ وہاں پر کچھ دیر کے لیے اترے اور نماز ادا فرمائی پھر مقتل گاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں پر ایسے بہترین شھداء کو شہید کیا جائے گا کہ جو بلا حساب وکتاب جنت میں داخل ہوں گے۔ نیز ابن حجر مکی نے (الصواعق المحرقہ۔ص۱۹۳) پر امیر المومنین- سے روایت کی ہے۔

'ان علیا مر بقبر الحسین - فقال : ههنا مناخ رکابهم وههنا موضع رحالهم وههنا مهراق دمائهم فتیته من آل محمد ﷺ یقتلون بهذه الفرصة تبکیی علهیم السماّ والارض '

حدیث ابن عباس بعد از مقتل

وقال ابن ابی الدنیا،حدثنا عبد الله بن محمد بن هانی ابو عبد الرحمن النحویی ثنا مهدی بن سلیمان ،ثنا حلیی بن زید ابن جد حان قال استیقظ ابن عباس والله : فقال له اُ صحابه : لم یا ابن عباس ؟ فقال رایت رسول الله ومعه زجاجة من دم فقال : اتعلم ما صنعت امتحیا من بعدی ؟ قتلو الحسین وهذا دمه و دم اصحابه ارفعهما الی الله فکتب ذلک الیوم الذی قال فیه وتلک الساعه فما لبثو الله اربعة وعشرین یوما حتی جاوهم الخبر با لمدینة از قتل فیی ذلک الیوم الذی وتلک الساعة ۔

(البدایۃ والنھایۃ ج۸۔ص۱۴۰)

علی بن زید کا بیان ہے (عاشورہ کے دن) حضرت عبداللہ ابن عباس نیند سے بیدار ہوئے اور کلمہ استرجاع (انا للہ وانا الیہ راجعون) پڑھا اور فرمایا کہ قسم بخدا فرزند رسول ﷺ حضرت امام حسین-کو شہید کر دیا گیا ہے۔تو آپ کے اصحاب نے کہا کہ اے ابن عباس یہ کیسے ہو گیا؟

تو آپ نے فرمایا کہ میں نے ابھی (حالت خواب) میں رسول خدا ﷺ کو دیکھا کہ اپ کے پاس کون بھری بوتل ہے تو رسولتماب ﷺ نے ابن عباس سے فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے میری امت نے میرے بعد کیا کر دیا میرے فرزند حسین-مظلوم کو شہید کر دیا اور یہ حسین اور اس کے ساتھ شہید ہونے والے دیگر شہدا کا خون ہے اور اسے میں اللہ کی بارگاہ میں پیش کروں گا۔پس اس دن اور وقت کو نوٹ کر لیا جس دن ابن عباس نے یہ خواب بیان کیا اس کے چوبیس دن بعد مدینہ طیبہ میں امام حسین-کی شہادت کی خبر پہنچی یہ وہی وقت اور دن تھا جس کو ابن عباس نے بیان کیا تھا۔

حدیث أم المومنین حضرت عائشہ

امام طبرانی نے المعجم الکبیر جلد۳۔ص۔۱۰۷ حدیث نمبر۲۸۱۴ میں روایت کیا ہے:

من عائشه قالت دخل الحسين بن علی علی رسول خدا وهو يو حی اليه فنزا علی رسول الله وهو منكب ولعب لی ظهره فقال جبريل رسول الله : أتُحبه يا محمد؟ قال ،يا جبريل ومالیی لا أُحب انبیی؟

قال فان امتک مستقتله من بعد ک فی هذا الارض يقتل ابنک هذا يا محمد واسمها الطف فلما ذهب جبريل من عند رسول الله خرج رسول الله والتربته فی يده يبكی فقال يا عائشه ! ان جبريل اخبرنی ان الحسين ابنیی مقتول فی ارض الطف و ان امتی ستفتن بعدی ثم خرج الی اصحابه فهيم عليی و ابو بكر وعمر و حذيفة وعمار و ابو ذر وهو يبكی فقالوا: ما يبكيک يا رسول الله ؟ فقال اخبرنی جبريل ان ابنی الحسين يقتل

بعدیی بارض الطف وجاء فیی بهذه الترتبه واخبرنیان فیها مصجعه)

ام المومنین حضرت عائشہ کا بیان ہے رسالتماب ﷺ پر وحی کا نزول ہو رہا تھا کہ امام حسین-تشریف لائے اور آتے ہی رسول خدا ﷺ کے دوش مبارک پر سوار ہو گئے اور آپؐ کی پشت پر کھیلنے لگ گئے تو اسے دیکھ کر جبریل آمین نے آپؐ سے کہا کہ کیا آپ اس بچے سے محبت کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا اے جبریل میرے لیے کون سی چیز مانع ہے کہ میں اپنے بیٹے سے محبت نہ کروں؟

تو جبریل نے کہا کہ تحقیق آپ کی امت آپ کے بعد آپ کے اس فرزند کو شہید کرے گی یہ کہہ کر جبریل نے اپنے دست مبارک کو کربلا کی طرف دراز کیا وہاں سے خاک کربلا کو رسول خدا ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور فرمایا یہ اس سرزمین کی خاک ہے جس میں آپ کے بیٹے حسین-کو شہید کیا جائے گا۔

اور اس جگہ کا نام ''طف'' ہے جبریل امین کے چلے جانے کے بعد رسول خدا ﷺ خاک کربلا لے کر گریہ فرماتے ہوئے باہر تشریف لائے اور فرمایا اے عائشہ تحقیق جبریل نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ یہ میرے فرزند حسین کو سرزمین طف پر شہید کیا جائے گا اور عنقریب میری امت میرے بعد اس سے آزمائی جائے گی ۔اس کے بعد خاک کربلا کو ہاتھ میں لیے گریہ فرماتے ہوئے آپ مجمع صحابہ میں تشریف لائے جن میں امیر المومنین علی- کے علاوہ حضرت ابو بکر و عمر حضرت حذیفہ جناب عمار یاسر اور حضرت ابوذر بھی موجود تھے لیکن آپ برابر گریہ فرماتے رہے تھے۔

صحابہ کرام نے آپ سے اس قدر گریہ کرنے کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ جبریل امین نے مجھے خبر دی ہے کہ تحقیق میرے فرزند حسین-کو میرے بعد سرزمین ''طف'' پر شہید کیا جائے گا اور ساتھ ہی وہاں کی خاک بھی میرے پاس لایا اور مجھے بتایا کہ اس مقام پر حسین-مظلوم کی ضریح مقدس بنے گی۔

ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ کی دوسری روایت

'امام طبرانی نے المعجم الکبیر ۳۔۱۰۸ حدیث نمبر ۲۸۱۹' اور 'حافظ ابو بکر بیہقی نے دلائل النبوۃ ۶۔۴۶۸' اور حافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنھایۃ ۶۔۱۶۸' میں عبداللہ بن وھب سے نقل کیا ہے کہ (اخبر تنیی ام سلمه ان رسول الله اصنطجع ذات یو م فاستیقظ وھو حائر ون مارایت منه فی المرة الا ولی ثم اصنطبع واستیقظ وفی یده تربته حمر ا یقلبھا فقلت ماھذه التربته بارض العراق للحیسن فقلت یا جبریل ارنی تربته الارض التی یقتل بھا فھذه تربتھا سیده)

حضرت سلمہ فرماتی ہیں کہ ایک روز رسول خدا ﷺ نیند سے نہایت ہی مغموم اور مضطرب حالت میں بیدار ہوئے اور آپ کے دست مبارک میں سرخ رنگ کی مٹی تھی جسے آپ بار بار الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے تو میں نے کہا کہ یارسول اللہ یہ مٹی کیسی ہے آپ نے فرمایا کہ جبریل آمین نے مجھے خبر دی کہ میرے فرزند حسین-مظلوم سرزمین عراق پر شہید کئے جائیں گے تو میں نے جبریل سے کہا کہ جس مقام پر حسین-شہید کئے جائیں گے پھر وہاں کی تربیت اقدس بھی دکھائی پس یہ وہی تربت اقدس ہے۔

نیز یہ روایت 'المستدرک علی الصحیحین جلد ۴۔ص ۳۹۹ حدیث نمبر ۸۲۲' میں ذکر کی ہے اور امام حاکم اور حافظ ذہبی نے اسے صحیح علی شرط الشیخین قرار دیا ہے۔ نیز حافظ ابن کثیر 'البدایۃ والنھد ایۃ ۸۔۴۱' پر ابن سعد سے نقل کرتے ہیں۔

وقال ابن سعد انا قرة بن خالد اخبرنی عامر بن عبد الواحد عن قھرین حوشبقال انا لعند ام سلمة زوج النبی فسمعنا صارخة فاقبلت حتی انھیت الی ام سلمه فقالت 'قتل الحسین فقالیت قد فعلوھا ملاو الله قبورھم اوبیوتھم علھیم نارا وفعت مغشیا علھیا وقمنا '

حدیث ام المومنین ام سلمہؓ

'امام طبرانی نے المعجم الکبیر ۳۔۱۰۸۔حدیث نمبر ۲۸۱۷' میں حضرت ام سلمہؓ سے روایت کی ہے۔ **قالت کان الحسن الحسین یلعبان بین یدی النبیی فی بیتی فنزل جبریل فقال یا محمد ! ان امتک تقتل ابنک هذا من بعدک فا ومابید ه الی الحسین فبکی رسول الله ﷺ وضمن الی صده ثم قال "ودیعة عندک هذه التربتة"فشهمارسول الله ﷺ وقال ویح کرب وبلا قالت وقال رسول الله ﷺ یا ام سلمه اذا تحولت هذه التربة دما فا علمی ان ابنیی قد قتل)قالت فجعلتها ام سلمه فی قاروة ثم جعلت تنظر الیها کل یوم وتقول: ان یوما تحولین الیوم عظیم .**

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں ایک مرتبہ امام حسن - وحسین - رسول خدا ﷺ کے سامنے میرے گھر میں کھیل رہے تھے۔جبریل امین نازل ہوئے اور فرمایا کہ اے محمد ﷺ تحقیق آپ کی امت آپؐ کے بعد آپ کے اس فرزند کو شہید کرے گی یہ کہہ کر جبریل امین نے امام حسین- کی طرف اشارہ کیا یہ سن کر رسول خدا ﷺ نے گریہ فرمایا اور امام حسین- کو اپنے سینے سے لگایا اور حضرت ام سلمہ سے فرمایا کہ یہ خاک کربلا میں آپ کے سپُرد کرتا ہوں پھر آپ نے خاک کربلا کو سونگھا اور فرمایا کہ افسوس ہے کربلا کے لیے فرمایا کہ اے ام سلمہ! اس خاک کو دیکھتے رہنا جب یہ خاک خون ہو جائے تو سمجھ لینا کہ میرے بیٹے حسین- کو شہید کر دیا گیا۔

روای کہتا ہے کہ حضرت ام سلمہ نے اس خاک کربلا کو ایک شیشی میں محفوظ کر لیا اور وہ ہمیشہ اس خاک کو دیکھتی رہیں اور کہتی تھیں کی تحقیق جس دن یہ خاک خون ہو جائے گی وہ بہت بڑی مصیبت کا دن ہوگا۔اس حدیث میں رسولخدا ﷺ نے مقام شہادت (کربلا) کو بھی بیان فرمایا اور خبر شہادت پر گریہ بھی فرمایا اور حضرت ام سلمہ کو اس مٹی کی حفاظت کی وصیت بھی کر دی۔

بروز عاشورا رسول خدا ﷺ کا گریہ کرنا اور سر میں خاک ڈالنا

'امام ترمذی نے الجامع الصحیح۔ باب مناقب الحسن والحسین حدیث نمبر ۳۷۷۱' اور امام طبرانی نے المعجم الکبیر جلد ۲۳۔ صفحہ ۳۷۳ حدیث نمبر ۸۸۲ میں ام المومنین ام سلمہؓ سے روایت کی ہے۔ چنانچہ 'ترمذی شریف' کے یہ الفاظ ہیں۔

حدثنا ابو سعید الا شج ،حدثنا ابو خالد الاحر حدثنا رزین قال حدثینی سلمی قالت دخلت علی ام سلمه وهی تبکی فقلت مایبکیک ؟ قالت رایت رسول الله تعنی فی المنام وعلی راسه ولحتیه التراب فقلت ما لک یا رسول الله ؟قال شهدت قتل الحسین انفا

ام المومنین حضرت سلمہ (۶۱ھ بروز عاشورہ) بہت گریہ فرما رہی تھی تو استفار کرنے پر فرمایا کہ کہ میں نے بحالت خواب رسول خدا ﷺ کو دیکھا آپؐ کے سر مبارک اور ریش اقدس خاک آلود ہیں۔ تو میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ نے اپنے سر اور ریش اقدس میں خاک کیوں ڈالی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اے سلمہ میرے فرزند حسین- کو شہید کر دیا گیا اور میں ابھی مقتل حسین- سے آرہا ہوں۔ لہذا غم حسین میں سر میں خاک ڈالنا سنت رسول کریم ﷺ سے ثابت ہے۔

اس حدیث پر ہونے والے اعتراضات کا جواب اس حدیث کے تمام راوی ثقہ وعادل ہیں البتہ ایک راویہ سلمی پر عموماً یہ اعتراض ہے کہ اسے محدثین نے مجہول الحال قرار دیا ہے۔ یہ اعتراض اس لیے درست نہیں کہ اسے حضرت ام سلمہ سے صرف سلمی نے ہی روایت نہیں کیا بلکہ حضرت سلمان سے روایت کی ہے۔ دوسرا اعتراض عموماً یہ کیا جاتا ہے کہ حضرت ام سلمہ کی وفات واقعہ کربلا سے پہلے ہوگئی تھی۔

لیکن یہ اعتراض اس لیے صحیح نہیں کیونکہ آپ کی وفات قبل واقعہ کربلا ثابت نہیں بلکہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ واقعہ حرہ تک موجود تھیں۔

غم امام حسین - میں آسما ن کا خون برسانا

مشہور تابعی ابن شہاب زہری کے جنہوں نے سب سے پہلے حضرت عمر بن عبد العزیز کے حکم پر احادیث نبویہ ﷺ اور آثار صحابہ وتابعین کو کتابی صورت میں جمع کیا آپ کی نسبت مشہور ہے۔(**لولا الزهری لضاع الحدیث**)

کہ اگر ابن شہاب زہری نہ ہوتے تو تمام احادیث ضائع ہو جاتیں امام زہری شہادت امام حسین - پر قدرت کی طرف سے مرتب ہونے والے آثار کو ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔

انه قال لما قتل الحسین - بن علی لم یرفع حجر بیت المقدس الا وجد تحته دم عبیط .) 'المعجم الکبیر ۳-۱۱۳ حدیث نمبر ۲۸۳۴' جب امام حسین - کو بیدردی و سفا کی سے شہید کر دیا گیا تو اس وقت جب بیت المقدس سے کسی پتھر کو اٹھایا جاتا تو اس کے نیچے سے تازہ خون نکلتا **وقال ایضا : ما رفع حجر یوم قتل الحسین بن علی الا عن دم** ۳-۱۱۳ حدیث ۲۸۳۵

مزید بیت المقدس کی طرح سرزمین شام کے بارے میں فرماتے ہیں جس دن امام حسین شہید ہوئے اس وقت بنی امیہ کے مرکز ملک شام میں جس کسی پتھر کو اٹھایا جاتا تو وہاں سے خون ظاہر ہوتا۔ نیز امام زہری کا یہ قول حافظ ابو بکر بیہقی نے دلائل النبوۃ جلد ٦ صفحہ ۴۷۱ میں معمر بن راشد کی زبانی نقل کیا ہے۔

اُنه قال : اول ماحرف الزهری تکلم فی مجلس الولیدبن عبد الملک فقال الولید :انکم یعلم مافعلت احجار بیت المقدس یوم قتل الحسین بن علی ؟ فقال الزهری بلغینی انه لم یقلب حجر الله وجد ت دم عبیط

اسی طرح مشہور تابعی محمد بن سیرین کا بیان ہے

لم یکن فی السماء حمرة حتیٰ قتل الحسین

کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت آسمان پر جو سرخی نمودار ہوتی ہے یہ

امام حسین کی شہادت سے پہلے نہیں تھی ۔(المعجم الکبیر ۳۔۱۱۴ حدیث ۲۸۴)ابن سیرین مزید فرماتے ہیں:

ان الدنیا اظلمت ثلاثة ایام ظهرت الحمرة فی السماء

بعد واقعہ کربلا میں تین دن تک پوری دنیا پر اندھیرا چھا گیا اس کے بعد آسمان پر سرخی ظاہر ہوئی۔جمیل بن زید کا بیان ہے۔

لما قتل الحسین احمرت السماء

اسی ابوقبیل کا بیان ہے۔

قتل الحسین بن علی انکسفت الشمس کسفة حتی بدت الکواکب نصف النهار حتی ظننا هی

جب امام حسین کو شہید کیا گیا تو سورج کو گرہن لگ گیا یہاں تک دوپہر کے وقت آسمان پر ستارے ظاہر ہو گئے اور ہمیں قیامت کا گماں ہوا۔مشہور تابعی عیسیٰ بن حارث کندی بیان کرتے ہیں:

(لما قتل الحسین مکثنا سبعة ایام اذا صلینا العصر نظرنا الی الشمس علی اطراف الحیطان کانها المعصفرة نظر نا الی الکواکب یضرب بعضها بعضا)

ان کے علاوہ دسیوں روایات ہیں جن میں ان مظاہر قدرت کا ذکر ملتا ہے۔مشہور محدث ومورخ حافظ ابوالفرج ابن الجوزی نے ان آثار ومظاہر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے **وحکمته ان غضبنا یو ثر حمرة الوجه والحق تنزه عن الجسمیة فاظهر تاثیر غضبه علی من قتل الحسین- بحمرةالائق اظهار العظم الجنایة**

آسمان کا سرخ ہو جانا میں حکمت پوشیدہ ہے۔کہ جب ہم کسی پر ناراض ہوتے ہیں تو ہمارے غضب کے آثار ہمارے چہرے پر سرخی کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں خدا کی ذات

چونکہ جسمانیت سے پاک ہے لہذا شہادت حسین - پر اللہ کی ناراضگی کے آثار افق آسمان پر ظاہر ہوئے یہ اس ظلم اور جنایت کا اظہار ہے۔اس طرح مشہور تابعیہ ام حکیم کا بیان ہے :

قتل الحسین وانا جا ریة فمکثت السماء ایا ما مثل العقتر

کہ امام حسین کی شہادت کے وقت کم سن بچی تھی آسمان کئی روز تک خون کے لوتھڑے کی طرح سرخ رہا۔'المعجم الکبیر ۳۔۱۱۳ ح ۲۸۳۶۲' نیز ابن کہ جن کا شمار تابعین عظام کے طبقہ سے ہے۔

انہوں نے امام حسن ابن عباس حضرت حذیفہ انس بن مالک معاویہ اور حضرت ابو سعید حذری کے علاوہ دسیوں صحابہ سے مشرف صحبت وسماع حدیث کا شرف حاصل ہے۔

واقعہ کربلا کے بارے میں مزید فرماتے ہیں۔

ان الحمرة التی مع الشفق لم تکن قبل قتل الحسین وقال غیره احمرت آفاق السماء ستته اشهر بعد قتله ثم زالت الحمرة تری بعد ذلک

شہادت امام حسین - پر پورے چھ ماہ آسمان سرخی مائل ہو گیا اسکے بعد بھی تا حال ہمیشہ سے یہ سرخی دیکھی جارہی ہے۔(الصواعق المحرقہ) مشہور مفسر علامہ الثعلبی کا بیان ہے۔

(ان السماء وبکت وبکا وها حمر تها)

تحقیق امام حسین - کی شہادت پر آسمان رو دیا اور آسمان کے گریہ سے مراد اس کا سرخ ہو جانا ہے حافظ ابوبکر البیہقی دلائل النبوۃ جلد ۴ صفحہ ۴۷۱ پر کی زبانی نقل کرتے ہیں۔

لما قتل الحسین بن علی مطرت السماء دما فاصحبت وکل شی ملان

نیز یہ روایت الصوائق المحرقہ صفحہ ۱۹۴ پر بھی ہے۔

انها قالت لما قتل الحسین بن علی امطرت السماء دما فاصحبا وجبابنا وجرارنا مملو دة دما

بوقت شہادت امام حسین - کئی ایام تک آسمان سے خون کی بارش ہوئی اور جب ہم صبح کو بیدار ہوتے تو ہمارے تمام برتن خون سے بھرے ہوتے ؟

انجام قاتلان حسین-

مشہور تابعی عامر بن شر احیل الشعبی کا بیان ہے:

رایت فی النوم کان رجالا نزلوا من السماء و معهم حراب یتتبعون قتله الحسین - فما لبثت ان نزل المختار فقلهم

امام تابعی کا بیان ہے کہ میں نے بحالت خواب دیکھا کہ گویا چند لوگ آسمان سے اترے ہیں اور ان کے ساتھ نیزے ہیں اور وہ قاتلان امام حسین- کو تلاش کر رہے ہیں جس کی تعبیر یہ ظاہر ہوئی کہ اتنے میں جناب امیر مختار نے انہیں تہ تیغ کیا۔ 'المعجم الکبیر ۳۔۱۱۳ حدیث نمبر ۲۸۳۳' مشہور محدث و مورخ مفسر اور فقیہ حافظ ابن کثیر دمشقی اپنی تاریخ 'البدایۃ والنھایہ ۸۔۱۴۱' میں قاتلان امام حسین- کے انجام کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

فانه قل من نبی من اولئک الذین قتلوه من آفة وعاهة فی الدنیا فلم یخرج منها حتی اصیب بمرض و اکثر هم اصابهم الجنون

اسی طرح علامہ ابن مکی اپنی کتاب 'الصواعق المحرقہ صفحہ ۱۹۵' میں قاتلان امام حسین - کے بارے میں مشہور محدث ابوالشیخ لکھتے ہیں:

انه ما من احد اعان علی قتل الحسین الا اصابه بلا قبل ان یموت فقال .... انا اعنت وماصابنی شئیی فقام لیصلح السراج فا خذته النار فجعل ینادی: النار النار وانفس فی الفرات ومع ذلک فلم یزل به حتی مات .واخرج منصور بن عماد ان بعضهم ابتلی با لعطش و کان یشرب راویه ولا یروی وبعضهم طال ذکره حتی کان اذا رکسب الفراس لواه علی عنقه کانه حبل

علامہ سبط ابن الجوزی مشہور مفسر السدی کی زبانی نقل کرتے ہیں۔

انه اضافه رجل بکربلاء فتد اکروا انه تشارک احد فی دم الحسین الا مات اقبح موتة فکذب المضیف بذ لک وقال انه ممن حضر فقام آخر

اللیل یصلح اسراج فوثبت النار فی جسده فا حرقته اقال ایضا فانا والشه رائیة کانه حمحمة)

نیز ابن شہاب زہری فرماتے ہیں۔

لم یبق ممن قتله الا من عوقب فی الدنیا اما یقبل اوعمی اوسواد لوجه اور زوال الملک فی مدة یسیرة' الصواعق المحرقہ صفحہ ۱۹۵

قاتلان امام حسین- میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا کہ جسے دنیا میں دردناک انجام سے دوچار ہونا پڑا یا وہ قتل ہوا یا اندھا ہو گیا یا اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا یا اس کی سلطنت زوال پذیر ہو گئی اور وہ کم وقت میں اپنے انجام کو پہنچا جیسے یزید' چنانچہ امام ذہبی یزید کے انجام کے بارے میں لکھتے ہیں:

جلفایتناول السکر ویفعل النکر افتح دولت بمقتل الشهید الحسین واختتمها بواقعة الحرة فمقته الناس ولم مبارک فی عمره

سیر اعلام النبلا ۴۔۳۷'

نوحہ و مرثیہ جنات بر شہادت حسین-

امام طبرانی 'المعجم الکبیر ۳۔۱۲۱ حدیث نمبر ۲۸۶۲' پر روایت کرتے ہیں

حدثنا علی بن العزیر ثنا حجاج بن النهال ثنا حما دبن سلمته ،عن عمار بن ابی عمار عن ام سلمه)قالت (سمعت الجن تنوح علی الحسین بن علی

نیز یہ روایت صفحہ ۱۲۲ حدیث نمبر ۲۸۶۷ پر بھی ہے۔

سیدہ ام المومنین ام سلمہؓ کا بیان ہے۔ کہ حضرت امام حسین-فرزند رسول پر بعداز شہادت جنات کو نوحہ کرتے ہوئے سنا گیا۔

رسول خدا ﷺ کی موجود گی میں ماتم وآہ بکا و سینہ زنی و خاک پاشی

سلمہ بن صحر نامی صحابی ایک مرتبہ رسول اسلام ﷺ کی خدمت میں اس حال میں وارد ہوئے:

ینتف شعرہ ویدق صدرہ ویلطم وجھہ یدعو ویلہ و علی راسہ التراب .

ویقول ھلک الابعد

کہ وہ اپنے سر کے بال نوچ رہے تھے اور سینہ زنی اور اپنا چہرہ پیٹ رہے تھے اور سر میں خاک ڈالے ہائے وائے کر رہے تھے۔ لیکن رسول خدا ﷺ نے اسے ایسا کرنے سے منع نہ فرمایا حالانکہ حکم ربانی (**یامر ھم بالمروف وینھاھم عن المنکر**) کے تحت آپ کا فرض منصبی تھا کہ اسے ایسا کرنے سے روکتے بجائے منع کرنے کے آپ نے سلمہ بن سخر کے ان افعال (سینہ زنی، بال نوچنا، چہرہ پیٹنا وغیرہ) پر سکوت فرمایا ایسے عمل کو اصطلاح محدثین میں حدیث مرفوع تقریری کہتے ہیں۔

جب رسول خدا ﷺ جیسے صاحب شریعت رسول نے ان افعال کے بجالانے پر کسی قسم کی کراہت یا ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا۔ تو بقیہ مسلمانوں کو آپؐ سے زیادہ اور بڑا عالم بننے کی کیا ضرورت ہے جب کہ قرآن مجید میں واضح حکم ہے۔

(یاایھا الذین امنو الا تقد مو بین یدی اللہ ورسولہ واتقو اللہ ان اللہ سمیع علیم)

اے مسلمانوں اللہ اور اس کے رسول سے آگے مت بڑھو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔ سورہ حجرات آیت گویا خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت کا نام تقوی ہے نہ کہ ان سے آگے بڑھنے کا نام تقوی ہے۔

لہٰذا جب رسالت مآب ﷺ کے سامنے ماتم ہوا، سر میں خاک ڈالی گئی بال نوچے گئے، آہ و بکا

ہوا، چہرہ پیٹا گیا، سینہ زنی کی گئی، مراسم وعزا میں سے کون سا ایسا فعل ہے جو رسول اسلام کے سامنے بجا نہیں لایا گیا لیکن ان تمام افعال میں کسی ایک پر بھی یہ نہیں فرمایا کہ اے سلمہ بن صخر تم یہ کیا خلاف شریعت کیا کر رہے ہو بلکہ رسول اسلام ان افعال کو دیکھ کر سن کر سکوت فرما کر اس کی تائید فرمائی اور رسول اسلام ﷺ سکوت فرمایا خلاصہ کلام حضرت سلمہ بن صخر کی مذکورہ الا روایت کو امام احمد مالک نے المسند ۲۔۵۱۶ ح۔۱۰۳۱۰۔امام مالک نے الموطاء صفحہ ۱۹۶۔ امام دارقطی نے کتاب السنن البتہ ان تمام روایات کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے بخاری شریف کی سب سے مستند شرح 'فتح الباری ج۔۴ صفحہ ۲۱۰۔ح۔۱۹۳۶' کی شرح میں ذکر کر دیا ہے۔ان تمام روایات کو تحریر کرنے کے بعد یہ تبصرہ فرماتے ہیں۔

واستدل بهذا على جو از لهذا الفعل والقول ممن وقعت له مصيبة ويفرق بذلک بين مصيبة الدين والدنيا ،فيجوز فى مصيبة الدين لما يشعر به الحال من شدة الندم وصحة الاملاع

سلمہ بن صخر کے مذکورہ عمل (چہرے اور سینہ پر ماتم کرنا، ہائے وائے کرنا سر میں خاک ڈالنا، اس امور کے جواز پر ہے۔۔۔) البتہ دین پر جب مصیبت واقع ہو تو اس وقت ان افعال واقوال کا بجالانا بہر حال جائز ہے۔نیز 'عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد ۸ ص ۱۰۸' پر بھی یہ حدیث موجود ہے۔

حافظ ابن کثیر کا فتویٰ درباب عزاداری

حافظ ابن کثیر دمشقی کی ذات اہل علم کے نزدیک محتاج تعارف نہیں برادران اسلام خصوصاً اہل حدیث کے ہاں بحیثیت بلند پایہ مفسر معتمد مورخ فقیہ اور حافظ الحدیث مشہور ہیں۔آپ نے جملہ علوم اسلامی پر عمدہ کتب تالیف فرمائی ہیں۔جن میں تفسیر قرآن پر آپ کی کتاب تفسیر القران العظیم المعروف تفسیر ابن کثیر ہے یہی کتاب آپ کی شہرت کا سبب بنی۔اسی طرح حدیث ورجال کے موضوع پر بھی آپ کی تالیفات خصوصاً 'جامع المسانید والسنن جو کہ

(۳۷) جلدوں پر مشتمل ہے اور التکمیل فی معرفة الثقات والضفا والمجاهيل

بھی عمدہ تالیفات ہیں۔ان کے علاوہ علم تاریخ کے موضوع پر آپ کی تالیف کردہ کتاب تاریخ ابن کثیر جو کہ 'البدایۃ والنھایۃ' کے نام سے ۱۴ ضخیم جلدوں میں بیروت سعودیہ مصر اور دیگر اسلامی سے متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ اہل سنت کے تمام فرقے اہل حدیث، دیوبندی، بریلوی، حنفی، وغیرہ تاریخ کے موضوع پر حافظ ابن کثیر کی تاریخ پر ہی اعتماد کرتے ہیں۔ابن تیمیہ کی صحبت کا اثر آپ کی تالیفات اور نظریات پر غالب تھا اسی سبب آپ نے تمام تالیفات میں اہل بیت- رسالت کے فضائل سے انکار اور بنی امیہ کی حمایت کا بھرپور اظہار کیا حتی کہ یزید ملعون کو باوجود فاسق ظالم (قاتل امام حسین-) ماننے کے امیر المومنین- اور خلیفہ لکھا ہے اور بعض مقام پر یزید کا بھرپور دفاع کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر اپنی کتاب 'البدایۃ والہنایۃ ج۔۸۔ص۔۱۴۲' پر ۶۱ھ کے حالات میں واقعہ کربلا اور مقتل امام حسین- کے بارے میں جملہ روایات اور احادیث نبویہ کو تحریر کرنے کے بعد عزاداری امام مظلوم کے بارے میں یہ فتویٰ تحریر کیا ہے۔

فكل مسلم ينبغيى له ان يحزنه قتله فانه من سادات المسلمين وعلما ء الصابة وابن بنت رسول الله ﷺ التى هى افضل بناته وقد كان عابه اوشجاعا وسختيا

کہ ہر کلمہ گو مسلمان کو امام حسین- کی شہادت پر غم وحزن منانا چاہیے کیونکہ آپ امت مسلمہ کے سردار ہیں اور علماء صحابہ میں سے ہیں اور رسالت مآب ﷺ کے نواسے ہیں اور آپؑ عابد بہادر اور سخی تھے۔اور یہ فتویٰ دینے سے پہلے بطور تائید انہوں نے مقتل امام حسین- سے متعلق حضرت ام سلمہ انس بن مالک حضرت انس بن الحارث امام علی ابن ابی طالب- اور حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی احادیث کو بھی بیان کیا ہے۔

لہذا اس فتوی کو سنت رسول خدا ﷺ سے ثابت کیا ہے نیز جلد ۸ ص ۱۴۱ پر عزاداران امام حسین - کے ماتم کرنے کا فلسفہ حامیان یزید نواصب کے عزاداری کو روکنے کی غرض کو بھی ذکر کیا ہے۔ مقتل امام حسین - سے متعلق مذکورہ بالا صحابہ کرام سے مروی دس احادیث کو بیان کیا ہے کہ جن سے ان مراسم کے بجالانے کو تائید حاصل ہوتی ہے ان تمام احادیث کو ہم نے بطور اختصا مستند کتب احادیث سے ذکر کر دیا ہے جن سے ثابت ہے کہ (قبل شہادت) امام حسین - بھی رسول خدا ﷺ نے یہ غم منایا ہے کہ کربلا کی تربت حضرت جبرئیل اور دیگر ملائکہ کے ہاتھوں منگوائی۔ اس تربت کو دیکھ کر روئے اور بطور شبیہ اپنے گھر میں رکھی اور حضرت ام سلمہ اور ابن عباس کا بعد از شہادت آپ کو غم حسین - میں خاک آلودہ اور پریشان دیکھا انہی روایات سے متاثر ہو کر حافظ ابن کثیر نے باوجود یزید کی حمایت کے یہ فتویٰ دینے پر مجبور ہو گئے۔

☆☆☆☆

رجعت قرآن وسنت کی نظر میں

از :حجۃ الاسلام سید حسنین عباس گردیزی

شیعہ عقائد میں سے ایک رجعت ہے جو شیعہ مذہب کی خصوصیات میں سے ہے جس کے بارے میں علم کلام کی کتابوں میں علمائے شیعہ نے بہت زیادہ بحث وگفتگو کی ہے اور رجعت کے بارے میں اعتراض کرنے والوں کے شبہات وسوالات کے جوابات دیئے ہیں۔اس مختصر سے مقالے میں عقیدہ رجعت کا معنیٰ ومفہوم اور خصوصیات پیش کی جاتی ہیں۔

رجعت کا مفہوم :۔

رجعت کا لغوی معنی،لوٹنا یا واپس پلٹنا ہے۔یہ عربی زبان کا لفظ ہے۔''رَجَعَ'' کا مصدر ہے اور ایک بار پلٹنے پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ لسان العرب میں آیا ہے۔

(والرجعة المرة من الرجوع)[1]

رجعت مصدر مرّہ ہے۔[2]

اور رجوع کے مادہ سے ہے۔اقرب الموارد میں اس لفظ کی یوں وضاحت کی گئی ہے۔

(رجع الرجل رجوعا ومرجعا ومعه انصرف ....هو يومن بالرجعة اى بالرجوع الى الدنيا بعدالموت)[3]

رجوع کا مطلب واپس پلٹنا ہے اور جب یہ کہا جائے کہ فلاں شخص رجعت پر ایمان رکھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ موت کے بعد دنیا میں واپس آنے کا عقیدہ رکھتا ہے۔پس رجعت کا لغوی معنی ''ایک بار واپسی'' ہے

اصطلاحی اعتبار سے مختلف علوم میں یہ لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔چونکہ اس لفظ سے ہماری مراد اس کا وہ اصطلاحی مفہوم ہے جو علم کلام میں رائج ہے اس لیے ہم اس کا کلامی مفہوم بیان کریں گے۔عظیم شیعہ متکلم شیخ مفیدؒ رجعت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(ان الله يردّ قوما من الاموات الى الدنيا فى صورهم التى كانو عليها فيعزّ فريقا ويذلّ

فـریقاو المحقیّن من المبطِلین و المظلومِین منهم من الظالمین و ذلک عند قیام مهدیٰ آل محمد)[۴]

اللہ تعالیٰ مردوں میں ایک گروہ کو اسی حالت اور صورت میں دنیا میں واپس پلٹا دے گا۔ان میں سے بعض کو عزت عطا کرے گا اور بعض کو ذلیل کرے گا۔اہل حق کو اہل باطل پر غلبہ اور نصرت عطا کرے گا اور مظلوموں کو ظالمین پر غالب کر دے گا۔اور یہ امر مہدی آل محمد علیہ السلام کے ظہور کے وقت وقوع پذیر ہوگا۔

چوتھی صدی ہجری کے عالم بے مثال سید مرتضیٰ علم الھدٰی رجعت کے بارے میں بیان کرتے ہیں: شیعہ امامیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے وقت بعض شیعوں کو جو اُن کے ظہور سے پہلے مر گئے ہوں گے، اللہ تعالیٰ دوبارہ دنیا میں پلٹائے گا تا کہ وہ حضرت کے یار و انصار ہونے کا شرف پا سکیں اور ان کی حکومت کو دیکھ سکیں اسی طرح اللہ تعالیٰ امام علیہ السلام کے بعض دشمنوں کو بھی زندہ کرے گا تا کہ امام زمان علیہ السلام ان سے انتقام لے سکیں اور وہ حق کی کامیابی وسربلندی اور پیروان حق کی عظمت کو دیکھ کر غم واندوہ میں مبتلا ہوں۔[۵]

عظیم محدث شیخ حر عاملیؒ رجعت کی اصطلاحی تعریف کچھ اس طرح سے کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک (علم کلام میں) رجعت سے مراد قیامت سے پہلے موت کے بعد زندگی ہے اور رجعت کا یہی معنیٰ فوری ذہن میں آتا ہے۔اسی کے متعلق علماء کرام نے تصریح کی ہے اور اس کے موارد استعمال اور احادیث سے بھی یہی استفادہ ہوتا ہے۔[۶]

ان میں سے بہترین تعریف وہ ہے جو شیخ مفیدؒ نے فرمائی ہے۔یہ مکمل طور پر رجعت کی وضاحت کرتی ہے جب کہ باقیوں میں اس کے بعض پہلوؤں کی طرف اشارہ ہوا ہے پہلی اور دوسری تعریف میں تو رجعت کا فلسفہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ان بیانات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رجعت ایک خاص گروہ سے مختص ہے۔عمومی نہیں ہے۔یہ گروہ اپنی دنیاوی شکل وصورت اور جسم کے ساتھ دوبارہ پلٹیں گے اور رجعت کا زمانہ قیامت سے پہلے امام مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ

الشریف کے ظہور کے ساتھ ہوگا۔

،عقیدہ رجعت کی اھمیت :۔

رجعت کا نظریہ یعنی قیامت سے پہلے خاص افراد کا دوبارہ دنیا میں آنے کا نظریہ خاص اہمیت کا حامل ہے اسلامی روایات اور کتب میں اس کی اہمیت کو مختلف انداز سے اجاگر کیا گیا ہے۔ امام صادق علیہ السلام نے شیعوں کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت عقیدہ رجعت کو قرار دیا ہے۔آپ-فرماتے ہیں:(**لیس منا من لم یومن بکر تنا ولو یستحل متعتنا**)[۷]

(وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہماری رجعت پر ایمان نہیں رکھتا اور ہمارے متعہ کو حلال نہیں سمجھتا) اس کی وجہ یہ ہے اس دور میں رجعت شیعہ عقائد کا خاصا سمجھتا جاتا تھا۔

امام صادق علیہ السلام نے اپنی ایک اور حدیث میں اس عقیدے کو ایمان کی شرائط میں قرار دیا ہے۔انہوں نے فرمایا(**من اقرَّبسبعة اشیاءٍ فھو مومن وذکر منھا الایمان بالرجعة**)۔[۸]

یعنی جو شخص سات چیزوں کا اقرا کرے وہ مومن ہے۔اوران چیزوں میں سے ایک آپ نے رجعت پر ایمان کا تذکرہ کیا۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایمان کامل تب حاصل ہوگا جب توحید نبوت کے ساتھ رجعت پر بھی عقیدہ رکھتا ہو اس عقیدے کا رکھنا ہر شیعہ کے لیے ضروری ہے۔

علاوہ ازیں آئمہ ہدی علیہم السلام کی زیارات میں بھی اس ایمان اور عقیدے کا اظہار اور اقرار کیا جاتا ہے مثال کے طور پر زیارت امام حسین علیہ السلام اور زیارت حضرت عباس علیہ السلام میں یہ جملے

(**انی بکم مومن وبایابکم**)[۹]

'میں آپ پر اور آپ کے دوبارہ پلٹنے پر ایمان رکھتا ہوں۔

اسی طرح حضرت عباس علیہ السلام کی زیارت میں بھی جملہ آیا ہے۔

(**انّی بکم وبایابکم من المومنین**)[۱۰]

میں آپ اور آپ کی رجعت پر ایمان رکھتا ہوں' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رجعت کا مسئلہ کوئی تاریخی پیش گوئی نہیں ہے کہ جو آئندہ زمانے میں وقوع پذیر ہوگی بلکہ اس کا تعلق عقیدے اور ایمان کے ساتھ ہے۔ایسا نہیں ہے کہ اس کے انکار یا اقرار سے ایمان پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ یہ ایک عقیدتی مسئلہ ہے اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوتا۔علماء نے اسے ضروریات مذہب امامیہ میں سے قرار دیا ہے۔اس کا انکار کفر کا سبب نہیں ہے۔لیکن ایک شیعہ کے لیے رجعت پر عقیدہ اور ایمان رکھنا ضروری ہے۔

اس بارے میں مرحوم شبر کہتے ہیں: ''رجعت کا نظریہ حق ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اس پر عقیدہ نہ رکھنا مومنین اور شیعوں کے زمرے سے خروج کا سبب ہے کیونکہ رجعت کا مسئلہ مذہب شیعہ کی ضروریات میں سے ہے۔صراط میزان اور دیگر امور کے بارے میں جو روایات نقل ہوئی ہیں وہ تعداد اور صحت کے اعتبار سے رجعت کے بارے میں نقل شدہ روایات سے زیادہ نہیں ہیں۔جب کہ صراط، میزان اور دیگر چیزوں پر ایمان ضروری ہے۔

البتہ یہ مطلب بھی ذہن نشین رہے کہ مسئلہ رجعت کی جزئیات میں اختلاف اور آراء کا متفاوت ہونا اس کی بنیاد کو ضرر نہیں پہنچاتا جیسا کہ صراط اور میزان کی خصوصیات اور جزئیات میں آراء کا اختلاف اس کے اصل عقیدے پر اثر انداز نہیں ہوتا۔آخر میں وہ کہتے ہیں کہ بطور کلی رجعت پر ایمان واجب اور لازم ہے۔البتہ اجمالی طور پر ایمان رکھنا ضروری ہے اس کی تفصیلات آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کے پاس ہیں''۔[11]

امام صادق علیہ السلام سے منقول ایک اور روایت میں رجعت کی اہمیت ایک اور جہت سے اجاگر کی گئی ہے اس روایت میں رجعت کو ایام الٰہی میں سے قرار دیا ہے۔جب اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدرت کی تجلی ہوگی

(عن ابی عبد الله (ع)قال : ایام الله ثلاثة یوم یقوم القائم ویوم الکرة ویوم القیامة)[12]

آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے تین دن ہیں؛ وہ دن جب قائم آل محمد علیہ السلام قیام کریں گے، رجعت کا دن اور قیامت کا دن۔

''ایام اللہ'' سے کیا مراد ہیں اس بارے میں علامہ طباطبائی لکھتے ہیں: کیوں خاص ایام کو اللہ تعالیٰ سے نسبت دی گئی ہے حالانکہ تمام ایام خدا سے متعلق ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان خاص دنوں میں امر الٰہی اس طرح جلوہ گر اور روشن وظاہر ہوگا کہ باقی دنوں میں ایسا نہیں ہوتا جیسا کہ موت کے وقت تمام دنیاوی سباب بے اثر اور بے فائدہ ہوجاتے ہیں اور عظمت اور قدرت الٰہی جلوہ گر ہوتی ہے۔''ایام اللہ'' کی تفسیر کے حوالے سے وہ ایک اور احتمال بھی بیان کرتے ہیں کہ یہ بات بھی ممکن ہے کہ اس دن الٰہی نعمات کا خاص جلوہ اور ظہور ہوتا ہے جو باقی دنوں میں کسی صورت نہیں ہوتا جیسا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آتش نمرود سے نجات پانے کا دن۔پس ایام اللہ سے مراد وہ دن ہیں جب حکم الٰہی خواہ وہ نعمت ہو یا عذاب عزت کا باعث ہو یا ذلت کا، پورے طور پر جلوہ گر اور حکم فرما ہوگا۔[۱۳]

رجعت ''یوم اللہ'' ہے جس دن سینکڑوں سال پہلے دنیا سے چلے جانے والے انسان دنیا میں واپس آئیں گے۔ یہ عظمت الٰہی اور قدرت الٰہی کا عظیم مظاہرہ ہوگا۔اس دن طاقت اور قوت پروردگار سب کے لیے آشکار ہوگی یا اس دن نعمات الٰہی اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کے شامل حال ہوں گی اور انہیں امام عصر علیہ السلام کے ظہور اور مظلوموں کی ظالمین پر فتح اور غلبے کے مشاہدہ کے لیے دنیا میں پلٹایا جائے گا، دوسری طرف کافروں اور ظالموں کو ذلیل ورسوا کیا جائے گا۔

رجعت کی خصوصیات

۱۔رجعت مخصوص ہے

یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ رجعت میں تمام مومنین اور تمام دشمنان دوبارہ دنیا میں واپس آئیں گے۔آیات قرآنی اور روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ عمومی نہیں بلکہ خصوصی ہے اور اس موقعہ پر صرف خالص مومنین اور انتہا درجے کے مخالفین اور دشمن واپس لوٹیں گے۔قرآن مجید کا

ارشاد ہے۔

﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجاً﴾

''اس دن ہم ہر امت سے ایک گروہ کو محشور کریں گے''۱۴۔

اس بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

(وان الرجعة ليست بعامّة وهى خاصة لايرجع الا من مَحَضَ الايمان محضا اومَحَضَ الشرک محضاً)۔۱۵

یعنی؛ رجعت کا واقعہ عمومی نہیں بلکہ خصوصی ہے صرف خاص مومن اور خالص مشرک واپس آئیں گے۔

۲۔وقت کا تعین نهیں هے :۔

حکمت الٰہی کا تقاضا ہے کہ بعض واقعات جن کا تعلق آئندہ زمانے سے ہے۔ اور انسانوں کے انجام اور تقدیر کے ساتھ ہے۔ان کے وقت کو متعین نہ کیا جائے جیسے قیامت اور ظہور حضرت امام مہدی علیہ السلام انہی امور میں ایک رجعت ہے۔اس کے وقت کو دقیق انداز سے مشخص اور معین نہیں کیا گیا ہے۔اس حوالے سے امیر المومنین علیہ السلام نے حضور ﷺ سے ایک حدیث بیان فرمائی ہے:

''فلما اخبرهم رسول الله مايكون من الرجعة قالو متىٰ يكون هذ؟ وقال الله : قل (يا محمد)ان ادرى اقريب ماتو عدون ام يجعل ربى امداً''۱۶

یعنی؛جب رسول خدا ﷺ نے لوگوں کو رجعت کے بارے میں آگاہ فرمایا تو لوگوں نے آپؐ سے پوچھا رجعت کب وقوع پذیر ہوگی؟ اللہ تعالی نے اپنے رسول کو وحی فرمائی ان سے کہہ دو میں نہیں جانتا (صرف خدا جانتا ہے) کہ جس کا وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے یا میرے رب نے اس کے لیے طولانی مدت قرار دی ہے۔

۳۔ رجعت اختیاری ھے :۔

جیسا کہ بیان ہوا کہ رجعت میں دو گروہ محشور ہوں گے ایک خالص مومنین کا اور دوسرا حقیقی مشرکین وملحدین کا یہ دونوں گروہ یکساں نہیں ہیں۔مشرکین اور دشمنان دین کے لیے رجعت ناگریز ہے۔انہیں ہرصورت میں دنیا میں پلٹایا جائے گا تا کہ وہ اپنے برے اعمال کی سزا اس دنیا میں چکھ لیں۔لیکن خالص مومنین اور متقین کے لیے دنیا میں لوٹنا اختیاری ہوگا۔اگر وہ چاہیں گے تو انہیں پلٹا جائے گا۔امام صادق علیہ السلام کے ایک صحابی مفضل بن عمر نے ان سے نقل کیا ہے:

''ذکرنا القائم (ع)ومن مات من اصحابنا ینتظره فقال لنا ابو عبدالله (ع) :اذا قام اتی المومن فی قبر ہ فیقال له یا هذا انه قد ظهر صاحبک فان تشا ان تلحق به فالحق و ان تشا ان تقیم فی کرامة ربک فاقم ''.[۷]

یعنی؛ہم حضرت قائم علیہ السلام اور اپنے ان ساتھیوں کے بارے میں جو ان کے ظہور کے منتظر تھے اور فوت ہو گئے ،گفتگو کر رہے تھے امام صادق علیہ السلام نے ہمیں فرمایا: جب وہ قیام کریں گے تو فرشتے مومن کی قبر میں داخل ہو کر اُسے کہیں گے کہ تمہارے مولا وآقا نے ظہور فرمایا دیا ہے اگر آپ چاہیں تو ان سے ملحق ہو جائیں اور کرم الٰہی کے سایے میں رہنا چاہتے ہیں تو پھر آرام کریں۔

۴۔رجعت اور قیامت میں فرق:۔

ممکن ہے رجعت کے متعلق گفتگو سے کوئی یہ سمجھے کہ رجعت اور قیامت ایک ہی چیز ہے۔کیونکہ رجعت میں مومنین اور کافرین اپنے اعمال کی جزا اور سزا پائیں گے اور قیامت میں بھی یہی کچھ ہوگا۔علاوہ ازیں رجعت کے واقعات جیسے بعض مردوں کا زندہ ہونا۔اہلبیت علیہم السلام کی طولانی حکومت وغیرہ کا دنیا میں وقوع پذیر ممکن نہیں ہے۔لہذا جو مطالب رجعت کے متعلق بیان کیے گئے ہیں درحقیقت یہ قیامت کے بطلان کا موجب بنتا ہے۔کیونکہ جب مومنین اور کافرین کو ان کے اعمال کی جزا اور سزا مل جائے تو پھر قیامت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ان دوعقیدوں کے درمیان فرق کو واضح کیا جائے ۔رجعت اور قیامت کے درمیان چار بنیادی فرق یہاں بیان کے جاتے ہیں۔

1۔رجعت اس مادی دنیا میں اپنی صفات اور خصوصیات کے ساتھ واقع ہوگی اور انسان اپنی سابقہ شکل وصورت میں واپس دنیا میں آئیں گے۔لیکن قیامت دوسرے جہان ہوگی جو مادہ کی خصوصیات سے خالی ہے۔

2۔قیامت کے دن تمام انسانوں کو حساب وکتاب کے لئے محشور کیا جائے گا جبکہ رجعت میں خاص خاص مومنین اور بعض کافروں کو محشور کیا جائے گا۔

3۔اصول دین میں سے کسی اصل کا انکار کفر کا موجب ہے جب کہ اصول مذہب میں کسی چیز کا انکار کفر کا سبب نہیں ہے۔اس لیے قیامت کا انکار کرنے والا کافر ہے جب کہ رجعت کا منکر ایسا نہیں ہے۔

4۔رجعت میں واپس آنے والے افراد دوبارہ مرجائیں گے یا قتل ہوں گے لیکن قیامت میں موت نہ ہوگی وہ ابدی مقام ہے۔

رجعت اور ظھور قائمؑ :۔

رجعت اور ظہور امام زمان- میں فرق ہے کیونکہ رجعت سے مراد یہ ہے کہ خالص مومنین کا ایک گروہ اور کفار کے سرغنوں کا ایک گروہ مرنے کے بعد دوبارہ دنیا میں لوٹے گا تا کہ پہلے گروہ کو عزت وعظمت سے نوازا جائے اور دوسرا گروہ ذلت وخواری سے ہمکنار ہو۔جب کہ ظہور سے مراد یہ ہے کہ بارہویں امام حضرت حجۃ ابن الحسن عسکری علیہ السلام طولانی غیبت کے بعد جب دنیا ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی۔ظاہر ہوں گے اور دنیا کو عدل وانصاف سے پُر کر دیں گے۔ رجعت اور ظہور ایک جہت سے مشترک ہیں اور وہ یہ کہ دونوں آخری زمانے میں اور قیامت سے پہلے وقوع پذیر ہوں گے۔اور فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین سے ظلم وستم کے خاتمے اور عدل وانصاف کے قیام ک لیے اپنے ولی کو ایک لمبی غیبت کے بعد ظاہر فرمائے گا۔لیکن رجعت یہ ہے

کہ ظہور کے وقت عدل وانصاف کے قیام کے بعد امام زمان علیہ السلام کی نصرت اور حق کی حکمرانی کے دوام اور استقرار کے لیے اللہ تعالیٰ بعض مومنین کو دنیا میں پلٹائے گا تا کہ وہ امام علیہ السلام کی مدد و نصرت کریں۔ رجعت ان اہم ترین واقعات میں سے ہے جو ظہور کے وقت واقع ہوں گے نہ اس سے پہلے نہ بعد میں۔ پس دونوں ایک نہیں ہیں البتہ ان کے واقع ہونے کا وقت ایک ہے۔

رجعت کے دلائل:۔

عقیدہ رجعت کے اثبات کے لیے عقلی اور نقلی دلائل موجود ہیں۔ عقلی اعتبار سے رجعت کے ہونے پر کوئی مانع نہیں ہے اور یہ امر عقلی اور فلسفی لحاظ سے محال نہیں ہے بلکہ اس کا وجود میں آنا ممکن ہے۔

قرآن اور رجعت :۔

رجعت کے مسئلہ کی اہم ترین ادلہ قرآن مجید سے پیش کی گئی ہیں۔ قرآن مجید میں رجعت کے امکان اور وقوع دونوں کے دلائل اور شوائد موجود ہیں۔ قرآن مجید نے اپنی آیات میں گزشتہ اُمتوں کے چند ایسے واقعات بیان کیے ہیں جو رجعت پر دلالت کرتے ہیں یہاں پر چند واقعات کو ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔بنی اسرائیل کے بعض افراد کا زندہ ہونا:

﴿وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً فَاَخَذَتْکُمُ الصّٰعِقَۃُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ثُمَّ بَعَثْنٰکُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ﴾

اور (تم اسے بھی یاد کرو) تم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ جب تک ہم اپنے رب کو سامنے دیکھ نہ لیں گے ہرگز ایمان نہ لائیں گے جس گستاخی پر سزا میں دیکھتے ہوئے بجلی گری لیکن پھر اس لئے کہ تم شکر گزاری کرو، اس موت کے بعد بھی ہم نے تمہیں زندہ کر دیا''۔[۱۸]

ان آیات میں موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ان افراد کا تذکرہ ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ کیا تھا اس کے جواب میں بجلی چمکی اور وہ سب کے سب مر گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے

دوبارہ انہیں زندہ کیا۔

۲۔بنی اسرائیل کے مقتول کا زندہ ہونا:۔

﴿وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَا دّٰرَءَ تُمْ فِيْهَا ط وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْن ط فَقُلْنَااضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ط كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَ يُرِيْكُم اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾

جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، پھر اس میں اختلاف کرنے لگے اور تمہاری پوشیدگی کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا۔ ہم نے کہا اس گائے کا ایک ٹکڑا (مقتول کے جسم پر لگا دو وہ جی اٹھے گا) اس طرح اللہ مردوں کو زندہ کر کے تمہیں تمہاری عقلمندی کے لئے اپنی نشانیاں دکھاتا ہے''۔19

ان آیات میں بنی اسرائیل کے اس شخص کا واقعہ بیان ہوا ہے جو اپنے رشتہ دار کے ہاتھوں خفیہ طور پر قتل ہوا لیکن انہوں نے اس کا الزام کسی اور بے گناہ پر لگا دیا۔اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی کہ انہی رشتہ داروں سے کہیں کہ وہ ایک گائے ذبح کریں اور اس کا ایک حصہ اس مقتول کو لا کر لگائیں وہ زندہ ہو جائے گا اور اپنے قاتل بتائے گا۔انہوں نے ایسا کیا مقتول زندہ ہو گیا اور اس نے اصلی قاتل بتا دیا۔واقعہ کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔''اللہ تعالیٰ اس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے'' ان آیات کی تفسیر وتشریح میں مفسرین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے فقط اس بارے میں آراء مختلف ہیں کہ گائے کا کونسا حصہ مقتول کے بدن کے ساتھ لگایا گیا اس نے اپنے قاتل کا نام بتایا اور پھر مر گیا۔

ہزاروں افراد کی موت اور ان کی دوبارہ زندگی :۔

﴿اَلَمْ تَرَاِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْمِنْ دِيَارِهِمْ اُلُوْفٌ حَذَرَالْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ﴾

''کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر کے مارے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا مر جاؤ، پھر انہیں زندہ کر دیا''۔20

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے ایک گروہ (جن کی

تعداد چارہ ہزار تھی) نے طاعون (یا دشمن سے جنگ) کے خوف سے اپنے شہر کو چھوڑ دیا اور کسی دوسرے مقام کی طرف چلے گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں موت کی نیند سلا دیا اور وہ اپنے آپ کو موت کے منہ سے نہ بچا سکے اتنے میں ایک نبی کا وہاں سے گزر ہوا۔اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ پروردگار! انہیں دوبارہ زندہ فرما اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعا قبول فرمائی اور انہیں دنیا میں واپس پلٹا دیا انہوں نے اپنے شہر میں جا کر زندگی گزاری کہا جاتا ہے کہ ان کا علاقہ فلسطین تھا اور ان کی موت کا عرصہ آٹھ دن تھا۔[۲۱]

یہ آیت واضح طور پر ایک گروہ کے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور ایک مدت تک زندگی گزارنے پر دلالت کر رہی ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ گزشتہ امتوں میں رجعت رونما ہو چکی ہے۔

مرنے کے سو سال بعد دوبارہ زندہ ہونا :

﴿اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ﴾ [۲۲]

زیادہ تر مفسرین کی رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک پیغمبر اپنے سفر کے دوارن ایک ایسی بستی سے گزرتے ہیں جس پر موت اور تباہی کے آثار نمایاں تھے اسے دیکھ کر وہ قیامت اور مردوں کے زندہ ہونے کے بارے میں سوچنے لگے انہیں خدا کی قدرت کاملہ پر پورا یقین تھا اس کے باوجود وہ اپنے آپ سے سوال کرنے لگے کہ اس بستی کے مرنے والوں کو لمبی مدت گزرنے کے بعد کون انہیں دوبارہ زندگی بخشے گا۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے انہیں موت دے کر اس سوال کا جواب انہیں سمجھا دیا وہ مر گئے ان کی سواری بھی گل سڑ گئی۔لیکن ان کے ہمراہ جو کھانا تھا وہ بالکل تازہ رہا۔سو سال کے بعد جب دوبارہ زندہ ہوئے تو انہوں نے خیال کیا کہ وہ آدھا دن سوئے رہے کیونکہ جب وہ مرے تو ظہر کا وقت تھا اور جب دوبارہ زندگی ملی تو آفتاب غروب ہونے کے قریب تھا۔جب انہوں نے اپنی

سواری کی حالت دیکھی تو سمجھ گئے کہ انہیں موت کے بعد دوبارہ زندگی ملی ہے اور جب انہوں نے اپنی آنکھوں سے سواری کو زندہ ہوتے دیکھا تو انہیں قیامت کے دن مردے زندہ ہونے کا یقین آ گیا۔[۲۳]

کہتے ہیں کہ اس کے بعد وہ اللہ کے نبی ایک عرصے تک زندہ رہے مرنے کے بعد۔ پس سو سال بعد دوبارہ زندہ ہونا اور زندگی گزارنا پہلی اُمتوں میں وقوع پذیر ہو چکا ہے۔ پس عقلی لحاظ سے اور قرآن کی رو سے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور دنیا میں زندگی گزرانا نہ فقط ناممکن نہیں بلکہ واقع ہوا ہے۔

اصحاب کہف کا تین سو سال بعد دوبارہ اٹھنا :۔

﴿فَضَرَبْنَا عَلٰی اٰذَانِهِمْ فِی الْكَهْفِ سِنِیْنَ عَدَدًا .ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْا اَمَدًا﴾[۲۴]

ان آیات میں اصحاب کہف کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ چند افراد خدا کی مخصوص توفیق اور اپنی فطرت سلیم کی بنا پر توحید پرست ہو گئے تھے دقیانوس بادشاہ نے انہیں اس قدر ستایا کہ حق کا نام لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور آخر میں غار میں جا کر پناہ لی رب کریم نے انہیں سلا دیا اور پھر برسوں کے بعد اٹھایا جب وہ بازار میں سکہ لے کر گئے تو معلوم ہوا کہ یہ دور قدیم کے لوگ ہیں اور بحث شروع ہو گئی کہ انہوں نے کتنے دنوں آرام کیا۔

اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ خدا اپنے مخلص بندوں کو ظالموں کے شر سے بچا بھی سکتا ہے اور انہیں دوبارہ زندہ بھی کر سکتا ہے۔ اس آیت میں اگرچہ اصحاب کہف کے مرنے کی صراحت نہیں ہے اگر یہ نیند بھی تھی تو غیر معمولی نیند تھی عام اصطلاح میں اسے موت ہی کہا جا سکتا ہے۔ پھر تین سو سال بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ اٹھایا اور یہ لفظ ''بعث'' سابقہ آیات میں موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے۔

اس واقعہ میں ان کے دوبارہ اٹھائے جانے کا مقصد بھی بیان ہوا ہے جس کا ذکر ہم میں

رجعت کے فلسفہ میں کریں گے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں مردوں کا زندہ ہونا

﴿وَاُحۡیِ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰہِ﴾[۲۵]

قرآن مجید نے سورہ آل عمران اور مائدہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا تذکرہ کیا ہے قرآن کے مطابق وہ اذن الٰہی سے کوڑھ کے مریضوں کو شفا دیتے تھے۔ اندھوں کو بینا کر دیتے تھے مٹی کی شکلیں بنا کر ان میں پھونک مارتے تو وہ زندہ ہو جاتے تھے وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے اور لوگوں کے گھروں میں ذخیرہ شدہ چیزوں کی خبر دیتے تھے۔ نامور مفسرین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان معجزات کو بیان کیا ہے۔ ان کے مردوں کو زندہ کرنے کے چند موارد کو بھی نقل کیا ہے۔ جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر ''الجلالین'' میں لکھتے ہیں:

انہوں نے اپنے دوست عاذر کو زندہ کیا، بوڑھی عورت کے بیٹے کو دوبارہ زندگی دی، ایک لڑکی کو مرنے کے بعد پھر زندہ کیا اور ان تینوں نے زندہ ہونے کے بعد ایک عرصے تک اپنی معمول کی زندگی گزاری بلکہ ان کی اولاد بھی ہوئی، اسی طرح انہوں نے سام بن نوح کو بھی زندہ کیا جو زندہ ہونے کے فوراً بعد دوبارہ موت کی وادی میں چلا گیا۔

اسی طرح سیوطی نے اپنی دوسری تفسیر 'الدر المنثور' میں ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر 'جامع البیان' میں اور ابن اثیر نے اپنی کتاب 'الکامل' میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دست مبارک سے مردوں کے زندہ ہونے کے موارد اور واقعات کو نقل کیا ہے۔ مذکورہ بالا تمام آیات قرآنی سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے رجعت یعنی قیامت سے پہلے مردوں کے دوبارہ دنیا میں پلٹنے کے امکان اور وقوع کو صراحت سے بیان کیا ہے اور نمونے کے طور پر چند موارد کو ذکر بھی کیا ہے۔ مفسرین کی اکثریت نے بھی اس مطلب کو قبول کیا ہے۔

دوسری بات جو ہم نے سمجھی ہے یہ ہے کہ دوبارہ زندہ ہونے والے افراد میں سے بعض صرف تھوڑی مدت زندہ رہنے کے بعد پھر مر گئے لیکن بعض افراد دراز مدت تک زندہ رہے۔ اسی

طرح ان میں بعض موت کے کچھ دیر بعد زندہ ہوگئے جب کہ دوسرے اپنی موت کے سالوں بعد دوبارہ زندہ کیے گئے۔

رجعت کا قرآن سے اثبات:۔

مرنے کے بعد بعض انسانوں کا دوبارہ اس دنیا میں واپس آنا قرآن کی رو سے ثابت ہے اور بعض موارد میں یہ واقع بھی ہوا ہے۔البتہ یہ امر گزشتہ اُمتوں میں وقوع پذیر ہوا ہے۔اب آیا امت اسلامی میں بھی واقع ہوگا یا نہیں؟

بالفاظ دیگر رجعت بمعنی اصطلاحی جو شیعہ نظریات کا حصہ ہے قرآن مجید سے ثابت ہے؟ یا نہیں؟

اس بارے میں بھی بہت سی آیات نازل ہوئی ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ رجعت وقوع پذیر ہوگی۔اس حوالے سے یہ بات ذہن میں رہے کہ جن آیات کے مفہوم و معنی میں غور و فکر سے معلوم ہوجاتا ہے۔کہ وہ رجعت کے مفہوم کے مترادف ہیں۔کہا گیا ہے کہ رجعت کے بارے میں ستر (70) آیات موجود ہیں البتہ ہم ان میں سے صرف چند کا ذکر کریں گے۔

پہلی آیت:۔﴿وَاِذَ وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَالَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النّٰاسَ كَانُوْ بِاٰيٰاتِنٰا لَايُوْقِنُونَ .وَيَوْمَ نَحْشَرُمِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجاً مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِاٰيٰاتِنٰا فَهُمْ يُوزَعُون﴾۲۶

نظریہ رجعت پر دلالت کرنے والی آیات میں سے یہ سب سے زیادہ مشہور ہے۔آیت واضح طور پر رجعت پر دلالت کر رہی ہے۔کیونکہ اس میں ہر امت میں سے ایک گروہ کے محشور ہونے کی بات ہوئی ہے تمام انسانوں کے محشور ہونے کا ذکر نہیں ہے۔اور یہ حشر قیامت کے علاوہ ہے کیونکہ قیامت کے دن تو سب لوگوں کو محشور کیا جائے گا۔جیسا کہ قرآن مجید نے ایک اور آیت میں اسے بیان کیا ہے۔

﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُالْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً وَحَشَرْنٰاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدً﴾ ۲۷

اوراس دن کا سوچو جب ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تو دیکھے گا کہ زمین کھلے میدان کی طرح ہو

گی اور ہم ان سب کو محشور کریں گے اور کسی کو نظر انداز نہیں کریں گے۔

اہلسنت کے عظیم مفسر آلوسی نے اس آیت کے استدلال پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ حشر سے مراد حشر برائے عذاب ہے اور اس کے بعد عمومی اور کلی حشر ہوگا۔ یعنی حشر کے بعد حشر ایک تمام انسانوں کے لیے اور ایک حشر صرف ان لوگوں کا جو غضب الٰہی اور عذاب الٰہی کا شکار ہوں گے۔ پس یہ آیت رجعت پر دلالت نہیں کرتی اور اس سے مراد قیامت کے دن محشور ہونا ہے۔

عصر حاضر کے بہت بڑے مفسر علامہ طباطبائی ان کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اگر حشر عذاب کے لیے تھا تو پھر ضروری تھا کہ آیت میں اس مقصد کا ذکر ہوتا یعنی کہا جاتا کہ ''**نحشر الی العذاب**'' تا کہ ابہام برطرف ہو جاتا جیسا کہ ایک اور آیت میں حشر برائے عذاب کا ذکر ہوا ہے۔

﴿**وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَاءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ حَتّٰى اِذَامَاجَاؤُها...**﴾ ۲۸

جب کہ ہماری مورد نظر آیت میں حشر کے بعد سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ کی گئی ہے نہ کہ عذاب کی بات کی ہے۔ ۲۹

علاوہ ازیں اس سے قبل اور بعد والی آیات میں دو نکات موجود جو اس بات کی تائید کرتی ہے کہ یہ حشر عذاب کے لیے نہیں، بلکہ اس کا تعلق قیامت سے پہلے واقعات سے ہے۔ اسی آیت کے شروع میں فرمایا گیا ہے

﴿**اِذٰا وَقَع القَوْلُ عَلَيْهِمْ**﴾

اس کے بارے میں تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ وقوع قول قیامت کی نشانیوں میں سے ہے اور واضح بات ہے کہ کسی چیز کی نشانی اس چیز کے علاوہ اور غیر ہوتی ہے

دوسرا نکتہ مذکورہ آیت کے بعد تیسری آیت کا یہ جملہ ہے۔

﴿**يَوْمَ نُفِخَ فِي الصُّور**﴾

یعنی جس دن صور پھونکا جائے گا۔

اس جملے سے قیامت کے واقعات کا آغاز ہو رہا ہے کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ صور میں پھونکا جانا قیامت سے مربوط ہے۔ اگر بعض انسانوں کا حشر قیامت سے مربوط ہوتا تو اسے نفخ صور کے بعد ذکر کیا جاتا نہ کہ اس سے پہلے پس مذکورہ آیت میں حشر کا تعلق قیامت سے قبل واقعات سے ہے۔

اس کے علاوہ اس آیت کی تفسیر کے حوالے سے کئی احادیث اہلبیت علیہم السلام سے نقل ہوئی ہیں جن میں اس آیت کو رجعت پر منطبق کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔

﴿فَقَالَ الرَّجُلُ لِاَبی عَبْدِاللّٰهِ(ع) : اِنَّ العامَّةَ تَزْعَمُ اَنَّ قَوْلَهُ " وَيَوْمَ نَحْشُرُمِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجاً " عَنِی فِی الْقِيامَةِ فَقالَ اَبُو عَبْدِاللّٰهِ فَيَحْشُرُ اللّٰهُ يَوْمَ القِيامَةِ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجاً وَيَدَعُ الباقِيْنَ ،لا وَلٰكِنَّهُ فِی الرَّجْعَةِ وَاَمَّا آيَةُ القِيامَةِ "وَحَشَرْناهُمْ فَلَمْ نُغادِرْمِنْهُمْ اَحَدًا"﴾ ۳۰

امام صادق علیہ السلام سے اس شخص نے کہا اہلسنت کا خیال ہے کہ ویوم نحشر۔۔۔۔۔قیامت کے متعلق ہے آپ نے جواب دیا۔ کیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُمت میں سے ایک گروہ محشور کرے گا اور باقی افراد کو چھوڑ دے گا؟ نہیں ایسا نہیں ہے یہ آیت رجعت کے بارے میں ہے۔ قیامت کے متعلق آیت یہ ﴿وَحَشَرنا هم فَلَمْ...﴾ ہے۔

دوسری آیت:۔﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُو فِي الْحَيٰوةِ الدُّنيا وَيَوْمَ يَقُومُ الْاَشْهادُ﴾ ۳۱

یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی مدد کرتے ہیں جو ایمان لائے دنیوی زندگی میں بھی اور جس دن تمام گواہ اُٹھ کھڑے ہوں گے۔

یہ آیت بیان کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اسی دنیا میں انبیاء اور مومنین کی مدد کرے گا اور جیسا کہ آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ انبیاء اور مومنین کی یہ مدد و نصرت اجتماعی طور پر ہو گی نہ کہ انفرادی طور پر الگ الگ۔ ادھر یہ امر مسلم ہے کہ اس طرح کی مدد و نصرت ماضی میں انجام

پذیر نہیں ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے اس کی خلاف ووزی قطعاً نہیں ہوتی۔ لہذا یہ مدد ونصرت یقیناً مستقبل میں وقوع پذیر ہوگی۔

دوسری طرف ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تمام انبیاء (سوائے حضرت عیسیٰ -اور خضرؑ) کے اور مومنین کی اکثریت دنیا سے رخصت ہو چکی ہے اور ان کی دنیا میں مدد ونصرت نہ ہوئی۔ پس مذکورہ آیت تقاضا کرتی ہے کہ وہ دوبارہ زندہ ہوں اور اس دنیا میں ان کی مدد ونصرت کی جائے۔ خصوصاً نصرت کا لفظ ان موارد میں استعمال ہوتا ہے۔

جہاں دو گروہوں یا اشخاص میں لڑائی ہو اور ایک گروہ یا شخص فریقین میں سے ایک فریق کی مدد کرے تا کہ وہ اپنے مخالف پر چھا جائے۔ اور یہ معنی اور مفہوم رجعت سے ہی مناسبت رکھتا ہے۔ اس کا ثبوت ایک حدیث ہے جو امام صادق علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے۔

(وَاللّٰہِ فِی الرَّجْعَۃِ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ اَنبیاءَ اللّٰہِ کَثِیرٌ لم یُنْصَرُوا فِی الدُّنیا وَقُتِلُوا والائِمَۃُ مِنْ بَعْدِھِمْ قُتِلُوْا وَلم یُنْصَروا اذٰلِکَ فِی الرَّجْعَۃِ)

خدا کی قسم یہ آیت رجعت کے بارے میں ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ بہت سے انبیاء اس دنیا میں قتل کر دیئے گئے اور ان کی مدد نہیں کی گئی ان کے بعد اماموں کو قتل کیا گیا جب کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد ان کے شامل حال نہ ہوئی ایسا رجعت میں ہوگا۔[۳۲]

تیسری آیت: ﴿وَمَا اَرْسَلْنٰاکَ اِلَّا کَافَّۃً لِلنَّاسِ بَشِیراً وَنَذِیْرًا﴾[۳۴]

ہم نے تجھے تمام لوگوں کے لئے بشارت اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

جیسا کہ نظریاتی لحاظ سے یہ بات واضح ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی نبوت عالمی اور بین الاقوامی تھی، جس کا دائرہ تمام ادوار اور تمام نسلوں تک پھیلا ہوا ہے۔ لیکن ان کی نبوت کا پیغام حقیقی معنوں میں تمام عالم کے انسانوں تک ابھی نہیں پہنچا بعض روایات کے مطابق یہ دعوت اور پیغام رسانی رجعت میں حقیقت کا روپ دھارے گی۔ اس بارے میں امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: یہ آیت رجعت میں تحقق پائے گی۔[۳۵]

اثبات رجعت احادیث کی روشنی میں :

قرآن مجید کے بعد احادیث مبارکہ کی بڑی تعداد رجعت کو ثابت کرتی ہے۔رسول خداؐ اور آئمہ ہدیٰ علیہم السلام سے رجعت کے موضوع پر اتنی روایات نقل ہوئی ہیں کہ حد تواتر تک پہنچتی ہیں۔اس بارے میں علامہ مجلسیؒ کہتے ہیں: اگر اس طرح (رجعت) کی روایات متواتر نہ ہوں تو پھر کس چیز کے بارے میں تواتر کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے۔۳۶

شیخ حر عاملی لکھتے ہیں: اس میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ احایث تواتر معنوی کی حد تک پہنچی ہیں کیونکہ یہ ہر شخص کے لیے موجب یقین ہیں جس نے اپنے دل کو شک وشبہہ اور اندھی تقلید سے پاک کرلیا ہے۳۷

محدث جزائری نے تہذیب کی شرح میں دعویٰ کیا ہے کہ اس نے رجعت کے متعلق 620 احادیث کو دیکھا۳۸

شیخ حر عاملی نے کتاب 'الایقاظ من الھجعۃ' میں رجعت کے موضوع پر 520 احادیث کو نقل کیا ہے اور آخر میں بیان کیا ہے کہ میں نے بعض روایات کو بعض وجوہات کی بنا پر نقل نہیں کیا ہے۔۳۹

ان کیثر روایات میں سے۔یہاں چند کو بیان کرنے پر اکتفاء کریں گے۔

پہلی حدیث:۔(**عن ابی سعید الخدری :ان رسول اللہ ﷺ قال لتتبعن سنن من کان قبلکم شبرا بشبرٍ وذراعا بذراع حتی لو دخلو ا حجر ضبّ لتبعتموھم.قلنا یا رسول اللہ الیھود والنصاری؟ قال : فمن ؟**) ۴۰

ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک تم لوگ پہلے والوں کے طور طریقوں پر ہو بہو چلو گے اور ان سے سرمو بھی انحراف نہیں کرو گے یہاں تک کہ وہ کسی جانور کے بل میں داخل ہوئے تھے تو تم بھی اس میں داخل ہو گے ہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ کیا آپ کی مراد یہودی اور عیسائی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: پس ان کے علاوہ کون ہیں؟ اسی

مطلب پر مشتمل ایک اور حدیث صحیح بخاری اور کنز العمال میں ابو ہریرہ سے بھی نقل کی گئی ہے[۴۱]۔

شیخ صدوقؒ نے روایت کی ہے۔(**قال رسول اللہ ﷺ کل ما کان فی الامم السالفة فانه یکون فی هذه الامة مثله حذو النعل بالنعل و لقذة بالقذة**)[۴۲]

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: گزشتہ امتوں کے تمام واقعات بغیر کسی تغیر وتبدل اور فرق کے اس امت میں وقوع پذیر ہوں گے ۔شیعہ وسنی کتب حدیث میں مذکورہ حدیث کا کثرت سے نقل ہونا اس کے قطعی صدور ہونے پر دلالت کرتا ہے۔اس سے یقین حاصل ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کے بارے میں یہ بات بیان فرمائی ہے۔

اب گزشتہ بحث میں قرآن کی آیات سے ثابت ہوا کہ گزشتہ اُمتوں میں رجعت واقع ہوئی ہے لہذا اس امت میں بھی رجعت وقوع پذیر ہوگی ۔اور ہم بھی اتنا ہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قیامت سے پہلے چند افراد دوبارہ زندہ ہوں گے۔اس کی تفصیل زیادہ تر بیان نہیں کی گئی۔

ہمارے استدلال کی تائید امام رضا علیہ السلام کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔جب مامون رشید نے رجعت کے بارے میں سوال کیا اور اس کی دلیل پوچھی تو آپؑ نے فرمایا

(**انها لحقّ قد کانت فی الممم السالفة ونطق بهاالقران وقد قال رسول اللہؐ : یکون فی هذه الامة کل ما کان فی الامم السالغةحذو النعل با لنعل و القذة بالقذة**) [۴۳]

یقیناً رجعت حق ہے گزشتہ اُمتوں میں ہوئی۔قرآن نے بھی اس کے واقعہ ہونے کی خبر دی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ اس امت میں گزشتہ اُمتوں کے تمام واقعات بغیر کسی کمی وبیشی کے رونما ہوں گے ۔رسول خدا ﷺ نے اپنے بعض ارشادات میں رجعت کی تصریح فرمائی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بیان فرمایا:

(**انتهی رسول اللہ ﷺ الی امیر المومنین وهو نائم فی المسجد قد جمع رملا و**

و ضع راسه علیه فحرَّ له برجله ثم قال قم یادابة الله فقال رجل من اصحابه یا رسول الله ﷺ انسمّی بعضا بهذا الاسم فقال لا و الله ماهو اِلاّله خاصة وهو دابه الّتی ذکر الله فی کتابه و اذا وقع القول علیهم اخرجنا لهم دابة من الارض تکلمهم ان الناس کانو بایاتنالایوقنون ثم قال یا علی اذا کان آخر الزمان اخرجک الله فی احسن صورة ومعک میسم تسم به اعدا ئک)[۴۴]

ایک دن رسول اللہ ﷺ امیر المومنین علی علیہ السلام کے پاس آئے جب کہ حضرت علیؑ مسجد میں ریت کا تکیہ بنا کر سو رہے تھے آنحضرتؐ نے انہیں ہلایا اور فرمایا: اے دابۃ اللہ! اٹھیے ایک صحابی نے عرض کیا: اے رسول خدا ﷺ کیا ہم بھی ایک دوسرے کو اس نام سے پکار سکتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں خدا کی قسم یہ نام علیؑ سے مخصوص سے ہے۔ یہ وہی دابۃ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا:

﴿واذ وقع القول علیهم اخرجنا لهم دابة من الارض تکلمهم ان الناس کانو بایاتنا لایوقنون ﴾

اس کے بعد فرمایا: اے علی! جب آخری زمانہ آئے گا اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین صورت میں زمین سے خارج کرے گا اس حالت میں کہ آپ کے ہاتھ میں عصا ہوگا جس سے آپ اپنے دشمنوں کو مشخص کریں گے۔ آخری زمانے میں حضرت علیؑ کے پلٹنے کے حوالے سے رسولخدا ﷺ نے (زمین سے) 'اخراج' کا لفظ استعمال کیا ہے جو کہ رجعت کے مفہوم کو بیان کرتا ہے۔ مزید یہ کہ حضور ﷺ نے ایک اور حدیث میں (**دابة الارض**) کے خروج کو قیامت کی نشانیوں میں سے قرار دیا ہے۔

قال رسول ﷺ **(ان الساعة لا تکون حتی تکون عشر آیات خسف بالمشرق وخسف بالمغرب وخسف فی جزیرة العرب والدخان والدجال ودابة الارض ویا جوج وماجوج وطلوع الشمش من مغربها ونار تخرج من قعدة عدن نزحل**

الناس)۴۵

اس روایت میں حضور ﷺ نے قیامت سے پہلے ہونے والے واقعات جو قیامت کی نشانیاں ہیں کو بیان فرمایا ہے۔آپؐ نے دس نشانیوں کا ذکر کیا ہے۔جن میں سے ایک (**دابۃ الارض**) ہے جس کا ذکر سورہ نمل کی آیت 82 میں بھی ہوا ہے۔

پس نتیجہ یہ نکلا کی نبی اکرم ﷺ نے واضح فرمادیا کہ قیامت سے پہلے یہ واقعہ حتماً وقوع پذیر ہوگا اور دابۃ الارض سے مراد کون ہیں اس کی نشاندہی بھی کر دی اور ساتھ یہ بھی بتا دیا کی رجعت میں پلٹنے والوں میں ایک امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہوں گے۔رجعت کے موضوع پر روایات بکثرت موجود ہیں ان کی چند اقسام ہیں۔

1۔پہلی قسم ان روایات پر مشتمل ہے جن کے ذریعے سے آئمہ ہدیٰؑ نے آیات قرآنی سے رجعت پر استدلال کیا ہے اور ان کی تفسیر رجعت سے کی ہے۔مثال کے طور پر ﴿**ان الذی فرض علیک القران لرادک الی معاد**﴾ ۴۶

جس نے قرآن آپ پر فرض کیا ہے وہی آپ کو معاد کی طرف لوٹائے گا۔

اس آیت کی تفسیر کے حوالے سے ''ابن خالد کابلی'' امام سجاد علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ امامؑ نے فرمایا

:(**یرجع الیکم نبیکم و امیر المومنین و الائمۃ (ع)**) ۴۷

تمہارے نبی ﷺ امیر المومنین علیہ السلام اور آئمہ علیہم السلام تمہاری طرف لوٹیں گے۔

2۔وہ روایات جو یہ بتاتی ہیں کہ قیامت سے پہلے ایک چیز (**دابۃ الارض**) زمین سے باہر آئے گی اور دیگر احادیث دلالت کرتی ہیں کہ اس سے مراد امیر المومنین علیہ السلام ہیں ۔جن میں سے بعض کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

3۔وہ رایات ہیں جو رجعت کرنے والوں کے بارے میں بیان کرتی ہیں۔مثلاً سب سے پہلے کون رجعت کریں گے۔رسول خدا ﷺ اور امیر المومنین علیہ السلام کی رجعت اور باقی

آئمہ اور انبیا علیہم السلام کی رجعت کے بارے میں بتائی ہیں۔زید شحام،امام صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں: آپؑ نے فرمایا:

(اول من یکر فی رجعة الحسین بن علی -یمکث فی الارض حتی یسقط حاجباہ علی عینیہ .)[۴۸]

دنیا میں رجعت کرنے والے سب سے پہلے شخص امام حسین علیہ السلام ہیں اور وہ دنیا میں اتنی لمبی زندگی گزاریں گے کہ بڑھاپے کی وجہ سے ان کے ابرو آنکھوں پر گر پڑیں گے۔بکیر بن اعین،امام باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں۔

(ان رسول اللہ امیر المومنین سیر جعان)[۴۹]

رسول خدا ﷺ جلدی دنیا میں واپس آئیں گے۔

یہ سب اور اس قسم کی دیگر تمام روایات جہاں پر رجعت کے بارے میں کچھ تفصیل بیان کرتی ہیں وہاں پر اصل مطلب کو بھی پایہ ثبوت تک پہنچاتی ہیں۔

رجعت کا فلسفہ:۔

یہاں ایک سوال ہے کہ آخر انسان کو رجعت کی ضرورت کیا ہے اور انسان کے مرنے کے بعد اس کا اس دنیا میں پلٹنے کا مقصد اور فلسفہ کیا ہے اور خداوند عالم مومن اور فاسد لوگوں کی رجعت کے ذریعے کس چیز کو ثابت کرنا چاہتا ہے؟ یہ وہ سوال ہے کہ جو ہر انسان کے ذہن میں پیدا ہوسکتا ہے۔اس سوال کے جواب میں بہت سے علماء نے لکھا ہے کہ رجعت کا مقصد اسلام کی عزت اور کفر کی ذلت کا مشاہدہ ہے۔یعنی؛ کچھ مومنین اور کفار کی دنیا میں واپسی اس وقت ہوگی کہ جب پوری دنیا پر اسلام کی حاکمیت قائم ہو جائے گی اور دین حق پوری دنیا پر چھا جائے گا اور زمین کے خزانے مومنین اور خدا کے نیک بندوں کے اختیار میں آجائیں گے۔

جیسا کہ خدا نے آخر کار ظالموں کی نابودی اور مظلوموں کے تسلط کا وعدہ کیا ہے۔لہذا ایک دن ایسا آئے گا کہ جب تمام ظالم اور ستم گر مغلوب ہو جائیں گے اور کمزور وضعیف مومنین دنیا کی حکمرانی

حاصل کر لیں گے۔اس دن خداوند مہربان کچھ ایماندار اور کچھ کافر وظالم انسانوں کو دین حق کی شان وشوکت دکھانے کے لئے دنیا میں واپس پلٹائے گا تا کہ مومنین اسلام کی عزت وشوکت دیکھ کر خوشحال ہوں اور کفار اس سے غم وغصے میں مبتلا ہو جائیں اور وہ جان لیں کہ خدا کا وعدہ سچا تھا۔

اسلام کی آخری فتح اور مومنین کے تسلط اور کامیابی کے بارے میں قرآن مجید نے بھی واضح بشارت دی ہے جو اسی دنیا میں پوری ہونی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

''هُوَ الَّذِیٓ اَرْ سَلَ رَسُوْلَهٗ بِا لْهُدٰی وَ دِ یْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَ هٗ عَلَی الدِّ یْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِ هَ الْمُشْرِ كُوْ نَ

اسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے کہ اسے اور تمام مذہبوں پر غالب کر دے۔اگر چہ مشرک برا مانیں۔۵۰

یہاں فرماتے ہیں کہ

''لِیُظْهِرَ هٗ اللّٰه عزوجل فی الرجعة''۔

یعنی؛ خدا دین حق کو رجعت کے وقت تمام ادیان پر برتری وغلبہ عطا کر دے گا۔۵۱

اسی طرح حدیث میں ہے کہ جب رسول خداؐ رجعت فرمائیں گے تو تمام لوگ آپؐ پر ایمان لے آئیں گے اور کوئی بھی باطل مذہب باقی نہیں بچے گا اور یہ ہی عزت وشوکت اسلام کا دن ہوگا۔۵۲

☆

حوالہ جات

۱۔ ابن منظور، لسان العرب، ج ۸، ص ۱۱۴

۲۔ علم صرف میں بیان ہوا ہے کہ مصدر کی کئی اقسام ہیں جن میں ایک قسم ''مرۃ'' ہے جو فعل کے ایک بار انجام دینے پر استعمال کیا جاتا ہے۔

۳۔ الشرتونی سعید الخوری، اقرب الموارد، ج ۱ ص ۳۹۲۔۳۹۱

۴۔ الشیخ المفید، محمد بن نعمان، اوائل المقالات ص۔ ۸۹

۵۔ مجلسی محمد باقر، بحار الانور۔ ج ۵۳، ص ۱۳۸ (سید مرتضیٰ کے رسالے سے نقل کرتے ہوئے جو انہوں نے 'رے' کے لوگوں کے جواب میں لکھا)

۶۔ حر عاملی، محمد بن حسن ' **الایقاظ من الهجة بالبرهان علی الرجعة** ' ص۔ ۱۴۱۔۱۴۰

۷۔ مجلسی محمد باقر، بحار الانور۔ ج۔ ۵۳۔ ص ۹۲۔۱۲۱

۸۔ ایضاً

۹۔ ایضاً

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ شبر عبداللہ۔ حق الیقین۔ ج۔ ۲۔ ص۔ ۳۵

۱۲۔ شیخ صدوق محمد بن علی بن حسین۔ معانی الاخبار، ص ۳۶۶

۱۳۔ طباطبائی سید محمد حسین، تفسیر المیزان: ج ۱۲۔ ص۔ ۱۹۔

۱۴۔ سورۂ نمل، آیت ۸۳۔

۱۵۔ مجلسی، محمد باقر ج ۵۳۔ ص ۳۹۔

۱۶۔ مجلسی۔ محمد باقر، بحار، ج ۵۳، ص ۵۹۔

۱۷۔ مجلسی، محمد باقر، بحار۔ ج ۵۳۔ ص۔ ۵۳۔

۱۸۔ سورۂ بقرہ، آیت ۵۵، ۵۶۔
۱۹۔ سورۂ بقرہ، آیت ۷۲، ۷۳۔
۲۰۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۴۳۔
۲۱۔ سبحانی، رجعت از دیدگاہ عقل، قرآن وحدیث ص ۳۰۔
۲۲۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۵۹۔
۲۳۔ سبحانی، رجعت از دیدگاہ عقل، قرآن وحدیث ص ۳۳۔
۲۴۔ سورۂ کہف، آیت ۱۱۔۱۲۔
۲۵۔ سورۂ آل عمران آیت ۳۹۔
۲۶۔ سورۂ نمل، آیت ۸۳۔۸۲۔
۲۷۔ سورۂ کہف، آیت ۴۷۔
۲۸۔ سورۂ فصلت، آیت ۱۹، ۲۰۔
۲۹۔ طباطبائی، المیزان، ج ۱۵، ص ۳۹۷۔
۳۰۔ مجلسی، بحار، ج ۵۳، ص ۵۲۔
۳۱۔ سورۂ مومن، آیت ۵۱۔
۳۲۔ الیزدی الحائری، شیخ علی، الزام الناصب، ج ۲، ص ۳۳۸۔
۳۴۔ سورۂ سبا، آیت ۲۸۔
۳۵۔ مجلسی، بحار، ج ۵۳، ص ۴۲۔
۳۶۔ مجلسی محمد باقر بحارالانوار۔ ج ۵۲۔ ص۔ ۱۲۳
۳۷۔ حرعاملی، محمد بن حسن 'الایقاظ من الھجعۃ بالبرھان علی الرجعۃ 'ص۔ ۳۳
۳۸۔ قزوینی خراسانی، مجتبیٰ، بیان الفرقان۔ ج ۵۔ ص ۲۸۸
۳۹۔ حرعاملی، محمد بن حسن الایقاظ۔ ص ۴۳۰

۴۰۔ صحیح بخاری کتاب الاعتصام بقول النبی ج۹۔ص ۱۰۳، سنن ابن ماجہ، باب افتراق الامم، جامع الاصول ج۔۱۰ کتاب الثالث فی الفتن وال ھوانوع ثالث نمبر۷۴۷۲

۴۱۔ صحیح بخاری۔ج کتاب الاعتصام بقول النبی ج۔۹۔ص۔۱۰۲، کنزالعمال:ج۔۱۱۔ص۔۱۳۳۳

۴۲۔ شیخ صدوق۔محمد بن بابویہ۔کمال الدین۔ص۵۷۶۔مجلسی۔محمد باقر، بحارلانوار۔ ج۲۸۔ص۔۱۰ حدیث۱۵

۴۳۔ مجلسی محمد باقر بحارالانور، ج۵۳،ص۵۹ حدیث۴۵

۴۴۔ مجلسی محمد باقر، بحارالانوار ج۔۵۳۔ص۵۲

۴۵۔ صحیح مسلم، کتاب ''**الفتن و اشرط الساعۃ ،باب فی الایات التی تکون قبل الساعۃ**'' ج۔۸۔ص۔۱۷۹

۴۶۔ سورۂ قصص آیت ۸۵

۴۷۔ حرعاملی، محمد بن حسن،'**الا لیقاظ من الھجعۃ بالبرھان علی الرجعۃ** 'ص ۳۴۳_۳۴۴

۴۸۔ حرعاملی، محمد بن حسن ایضاً ص۳۵۸، مجلسی محمد باقر بحارالانور ج۔۵۳ بحث رجعت ۔ج۔۱۔۱۳۔۱۴۔۱۹۔۵۴۔۷۷۔۱۰۷

۴۹۔ حرعاملی، محمد بن حسن، ایضا ص۳۷۹، مجلسی محمد باقر ایضا۔ج۵۳، بحث رجعت ح۔۲۱۔۲۲۔۲۴۔۷۲۔۶۳۔۱۱۹۔۱۲۳۔۱۳۰۔

۵۰۔ سورۂ توبہ، آیت ۳۳۔

۵۱۔ مجلسی، بحار ج۵۳،ص۶۴۔

۵۲۔ ایضاً

☆☆☆☆☆☆☆

عاشورا کا سیاسی پہلو (امام خمینیؒ کی نظر میں)

از: حجة الاسلام جعفر علی میر

تمہید: اس مقالہ کا ایک مقصد ایک تو قیام امام حسین- اور عاشورا حسینی کے گونا گوں پہلوؤں خصوصاً سیاسی پہلو سے جائزہ لینا ہے۔ دوسرا یہ نکتہ روشن اور اجاگر کرنا ہے کہ آج کے دور میں سیرت امام حسین- پر کیسے عمل پیرا ہوا جائے کیونکہ ایک طرف عام شیعہ ہیں جو سیاست کو شیطنت کے مترادف سمجھتے ہوئے شجر ممنوعہ قرار دیتے ہیں۔ اسے دین کے ساتھ نتھی کرنا تو دور کی بات اپنی مجالس میں کربلا و عاشورا حسینی کے ساتھ ذکر کرنا بھی گناہ تصور کرتے ہیں اور دوسری طرف خواص ہیں جو مسئلہ کی حقیقت و نزاکت کو تو سمجھتے ہیں، لیکن مختلف مصلحتوں اور اندیشوں کے پیش نظر سیرت امام حسین- پر عمل پیرا ہونے سے گریزاں و ہراساں ہیں یا ہمیشہ اس سوال کی بھول بھلیوں میں الجھے ہوئے ہیں کہ سیرت امام حسین- پر کیسے عمل پیرا اور اس کا آغاز کہاں سے کیا جائے؟

ان دونوں طبقوں (عوام و خواص) کی اس مشکل کا حل تلاش کرنے کے لیے ہم نے صرف حدیث و تاریخ کی روشنی میں تجزیاتی اور تحلیلی گفتگو پر انحصار کرنے کی بجائے اس عصر کی ایسی شخصیت کا انتخاب کیا ہے جس کے قول و فعل اور گفتار و کردار ہر دو نہ صرف عاشورا حسینی کی صحیح تفسیر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں بلکہ سیرت حسینی پر گامزن ہونے کا عملی طریقہ کار بھی واضح و روشن کرتے ہیں اور وہ شخصیت امام خمینیؒ ہیں۔ جنہیں نہ صرف مفسر اسلام ناب محمدی ﷺ قرار دیا جاتا ہے۔ بلکہ وہ حقیقی مجدد اسلام محمدی ﷺ و عاشورا حسینی بھی شمار ہوتے ہیں۔

سیاست کی تعریف امام خمینیؒ کی نظر میں:

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا ہے کہ عوام و خواص سیاست کو دنیا سے نہ صرف جدا بلکہ اپنے لیے شجرہ ممنوعہ سمجھتے ہیں۔ جہاں تک عوام کا تعلق ہے تو سیاست کے رائج مفہوم اور موجودہ طریقہ کار کو

سامنے رکھتے ہوئے ،انہیں سیاست کو گناہ کبیرہ سمجھنے میں حق بجانب قرار دیا جا سکتا ہے ۔ کیونکہ آج سیاست کا مفہوم فریب ،فراڈ ،لوٹ مار ،ظلم وستم اور خیانت کے علاوہ کچھ نہیں ،جب کہ عملی طور پر سیاست دان لومڑی کی طرح مکار اور بھیڑیئے کی طرح درندہ صفت لوگ ہوتے ہیں ۔لیکن خواص سیاست اور دین کو ایک دوسرے سے جدا کیوں سمجھتے ہیں؟ ان کے اس طرز عمل اور اس فکر کی کوئی توجیہ نہیں کی جاسکتی۔

چنانچہ امام خمینیؒ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں۔

اسلام سیاست کے تمام شعبوں کا حامل دین ہے ۔اس کے بیان کردہ حکومتی سیاسی ،اجتماعی اور اقتصادی احکام پر معمولی سی فکر کرنے والا شخص بھی یہ مطلب بخوبی سمجھ سکتا ہے لہذا جو شخص یہ خیال کرے کہ دین اسلام سیاست سے جدا ہے وہ اسلام کی الف ب سے آشنا ہے نہ سیاست کی ابجد سے واقف ہے۔[1]

پس سیاست شجرہ ممنوعہ گناہ کبیرہ نہیں البتہ سیاست کا جو مفہوم اور روش ہمارے ہاں رائج ہے اسے کسی بھی طرح سیاست قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔اس میں تو سیاست کے نام پر فریب ،جھوٹ ،ریاکاری ،ظلم وستم ،درندگی لوٹ مار اور خیانت جیسے قبیح افعال کو اختیار اور انجام دیا جاتا ہے ۔جبکہ سیاست ایک مقدس فریضہ ہے ۔جو انبیا اولیا آئمہ معصومین÷ اور حقیقی علمائے اسلام کے ساتھ مخصوص ہے ۔چنانچہ امام خمینیؒ اسی مطلب کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

سیاست تو معاشرے کی ہدایت کرنے کا نام ہے ۔(یعنی سیاست سے مراد یہ ہے کہ) معاشرے کی تمام تر مصلحتوں کو سامنے اور انسان کے تمام انفرادی اور اجتماعی پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے اُنکی اس چیز کی طرف راہنمائی کرنا جو ان کی مصلحت میں ہے اور جو فرد اور اجتماع کی مصلحت میں ہے۔[2]

اور آگے چل کر فرماتے ہیں یہ کام انبیا ÷ کے ساتھ مخصوص ہے دوسرے لوگ ایسی سیاست نہیں کر سکتے یہ انبیا÷ واولیا (ائمہ ÷) اور ان کے بعد اسلام کے بیدار علماء کے ساتھ مختص ہے۔[3]

یہاں ایک اور اہم نکتہ جس کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے وہ یہ کہ بعض لوگ دین وسیاست میں جدائی تو کے قائل نہیں لیکن وہ انہیں دو ایسی جدا اور مستقل چیزیں فرض کرتے ہیں جن میں ایک طرح کا تعلق استوار ہے۔جس طرح دو مختلف قبیلے قومیں یا مذاہب ایک دوسرے سے جدا ہونے کے باوجود آپس میں اچھے روابط رکھتے ہیں جب کہ امام خمینیؒ دین و سیاست کو دو ایسے مختلف مفہوم نہیں سمجھتے جن میں ایک طرح کا رابطہ برقرار ہوتا ہے بلکہ وہ ان میں آمیختگی کے قائل ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں

دین اسلام (صرف عبادات پر مشتمل) ایک عام اور سادہ سا دین نہیں ہے اور نہ ہی صرف اور صرف سیاست کا حامل ہے بلکہ عبادی وسیاسی دین ہے جس کی سیاست عبادت میں اور عبادت سیاست میں مدغم ہے یعنی اس کی عبادت بھی سیاست کا پہلو رکھتی ہے۔[۴]

لیکن شیعیان حیدر کرار- اور شیعیان حسین ابن علی-تمام تر حمایت ومحبت اور عقیدت و ولایت اور ان کے نام پر جان و مال کی عظیم قربانی دینے کے باوجود دین وسیاست کی وحدت اور یگانگت کو درک کر سکے نہ عاشورا اور عزاداری کے سیاسی پہلو سے آگاہ ہو سکے۔ چنانچہ نامور شیعہ عالم دین اور محقق جناب محمد رضا حکیمی اسی حوالے سے لکھتے ہیں: افسوس کہ شیعہ مصائب عاشورا پر روئے تو بہت لیکن اس پر غور وفکر کرنے سے اجتناب کرتے رہے شیعوں نے عاشورا کو (گریہ وزراوی اور مجالس وعزاداری کے ذریعے) زندہ تو رکھا لیکن اسے پہنچاننے سے محروم رہے، آفرین ان پر کہ انہوں نے (ہر قربانی دے کر) اسے زندہ رکھا اور افسوس ان پر کہ انہوں نے اسے پہچاننے کی زحمت نہیں کی۔[۵]

واقعا یہ تلخ حقیقت ہے کہ انہوں نے حدیث تبا کی[۶]

کی بنیاد پر عاشورا کو محض افسوس ناک اور دردناک سانحہ قرار دیتے ہوئے اسے رونے و رلانے اور اجر وثواب کے ایک وسیلہ تک محدود کر دیا لیکن امام خمینیؒ اس کی سختی سے نفی کرتے ہوئے صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں۔مسئلہ تبا کی (رونے ورلانے کا) نہیں بلکہ مسئلہ سیاسی ہے[۷]

مجلس عزا اس لیے نہیں کہ سید الشہدا - پر رویا جائے اور ثواب حاصل کیا جائے البتہ یہ مقصد بھی (اپنی جگہ پر مسلّم) ہے لیکن اس کا اہم پہلو سیاسی ہے اور وہ یہ کہ ہمارے آئمہ طاہرین ÷ نے صدر اسلام میں ہی ایسی منصوبہ بندی کی اس سے یہ مسئلہ ہمیشہ زندہ رہے[8]

امام خمینیؒ نے عاشورا حسینی کو اپنے اصل معنوں میں زندہ رکھنے اور عزاداری کو اپنی روایتی شکل میں جاری رکھنے پر زور دیتے ہوئے کہا: ہر جگہ اور ہر زمانے کے حسینیوں کو وقت کے یزیدوں کے خلاف قیام کرنا چاہیے اور روح حماسہ ہمیشہ معاشرے میں زندہ رہنی چاہیے[9]

پس دین وسیاست کی جدائی کا نظریہ صحیح ہے نہ ہی عاشورا کو ایک اتفاقی حادثہ اور محض رونے رلانے اور ثواب واجر کمانے کا ذریعہ سمجھنا چاہیے بلکہ عاشورا حسینی کا فلسفہ روح حماسہ کا زندہ رکھنا اور عزاداری کا مقصد شیعیان حسین - میں روح عدالت خواہی کا احیاء ہے اور انہیں ہر ظلم کے خلاف قیام پر آمادہ تیار کرنا ہے۔ لیکن اہم ترین سوال جس سے عوام نابلد اور خواص پاؤں کی زنجیر بنائے بیٹھے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ قیام کیسے کیا جائے؟ اس کی ماہیت اور عناصر ترکیبی کیا ہونے چاہیں اور اس کا آغاز کہاں سے کیا جائے؟؟ اس سوال کا بھی بہترین مدلل اور قابل عمل جواب امام خمینیؒ کے افکار طرز عمل اور تحریک انقلاب میں ملتا ہے ذیل میں ہم امام کی تحریک اور سیرت کا جائزہ لیتے ہیں البتہ ہم ہر ممکن طور پر اختصار کو پیش نظر رکھیں گے۔

۱۔شاگردوں کی تربیت :

امام خمینیؒ نے اپنے انقلابی عمل اور تحریک کا آغاز اپنے دروس سے کیا۔ ان کے دروس خالی وخشک مباحث پر مشتمل نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ ان کے دروس سے ایسے شاگرد پروان چڑھ رہے تھے جو آگے چل کر اسلامی اور حسینی تحریک کا ہراول دستہ بنے[10]

وہ اپنے خارج کے دروس کے دوران ایسی ابحاث سامنے لاتے جن سے طلبہ میں انقلابی روح بیدار ہو سکے اور مستقبل میں حسینی انقلابی افکار کی حامل علماء اور طلبا کی جدید نسل وجود میں آسکے[11]

پس امام خمینیؒ نے اپنی تحریک کا آغاز اپنے دروس اور مدارس سے کیا اور اپنے زیر تربیت شاگردوں کو اجتماعی مسائل سے کبھی بھی لاتعلق رکھنے کی کوشش نہیں کی بلکہ ہمیشہ انہیں اجتماعی اور قومی مسائل سے آگاہ و باخبر رہنے اور انہیں دین کے خلاف ہونے والی سازشوں سے نہ صرف مطلع رہنے بلکہ ان کا درست تجزیہ و تحلیل کی تلقین کیا کرتے تھے کیونکہ وہ اس حقیقت سے پوری طرح واقف تھے کہ خواص کی لاتعلقی ہی کربلا کے وقوع پذیر ہونے اور امام حسین- کے بے یار و مددگار مارے جانے کے باعث بنی ہے۔

۲۔درس ولایت فقیہ و حکومت اسلامی :

امام خمینیؒ نے ہمیشہ اس بات کی تاکید کہ علماء وطلباء کو حکومت اور حکومتی مسائل سے کنارہ کش نہیں رہنا چاہیے۔لہذا دیگر دروس کے ساتھ ساتھ عقل قرآن وحدیث کی روشنی میں حکومت اسلامی اور ولایت فقیہ کے موضوع پر باقاعدہ دروس دینا شروع کیے[۱۲]

ولایت فقیہ اور حکومت اسلامی کی متروک بحث نہ صرف زندہ کی بلکہ علماء سے باقاعدہ دوخواست کی کہ اسلام ناب محمدی ﷺ اور حکومت اسلامی کے تعارف کے لیے عاشورائی تحریک برپا کریں[۱۳]

اور حوزہ ہای علمیہ اور مدارس دینیہ میں رائج فکر کے برعکس اس بات کی کہ تاکید کی حکومت اسلامی کی بات کرنا یا بحث کرنا روحانیت ،معنویت یا تقویٰ کے خلاف نہیں اور نہ ہی حکومت کے حصول یا تشکیل کی بحث باعث شرم یا ننگ وعار ہے چنانچہ امام خمینیؒ عاشورا حسینی اور سیرت حسینی سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ لوگ آئے تھے کہ حکومت بھی لے لیں اور یہ (کوئی شرم یا ننگ وعار کا باعث نہیں بلکہ) فخر کی بات ہے جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت سید الشہدا-حکومت کے حصول کی خاطر نہیں آئے تھے۔

(وہ غلطی پر ہیں) ایسا ہرگز نہیں یہ لوگ آئے ہی حکومت حاصل کرنے کے لیے تھے[۱۴]

امام خمینیؒ اپنے اس نظریہ کی تائید و دلیل کے طور پر فرماتے ہیں: آپؑ کا حضرت امیر مسلم

بن عقیل - کو بھیجنے کا مقصد ہی یہی تھا کہ لوگوں کو اسلامی حکومت کی تشکیل کے لیے بیعت کی دعوت دیں۱۵

۳۔اسلامی مناسبتوں سے استفادہ :

یہاں اہم ترین اور قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ امام خمینیؒ نے شاہ کی حکومت گرانے اور ایک اسلامی حکومت کی تشکیل کی جہد و جہد کی خاطر کوئی تنظیم، سیاسی پارٹی حزب یا جماعت نہیں بنائی بلکہ انبیاؑ کی طرح عام لوگوں سے براہ راست رابطہ برقرار کیا اور ان میں آزادی و حریت اور عزت و آبرو کی روح پھونکنے کی کوشش کی اور اس کے لیے مختلف اسلامی مناسبتوں خصوصاً عزاداری امام حسین- سے بھرپور استفادہ کیا بلکہ فلسفہ عزاداری کی صحیح تبیین و روشن تصویر اور عاشورا حسینی کے کا نیا چہرہ لوگوں کے سامنے پیش کیا اور قیام حسینی کے درست خدوخال واضح کر کے ان میں انقلابی روح پھونکنے کی کوشش کی اور جب امام خمینیؒ کے اس عمل پر بعض علماء نے اعتراض کرتے ہوئے یہ مسئلہ اٹھایا کہ ہمارے پاس بمب نہیں کہ شاہ کیخلاف استعمال کر سکیں تو اس دور اندیش اور عمیق نظر رکھنے والے راہنما نے عزاداری میں پوشیدہ قوت کا صحیح ادراک کرتے ہوئے فرمایا: ''ہمارے پاس ایسی طاقت موجود ہے جو بمب سے کہیں زیادہ کارآمد ہے''۱۶

امام خمینیؒ مختلف اسلامی مناسبتوں اور عاشورائے حسینی اور مراسم عزاداری سے صحیح استفادہ اور انہیں دینی سیاسی معارف کی گہرائی تک پہنچے کا ذریعہ قرار دیتے تھے چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں :ان مجالس کے بارے میں یہ مت سوچو کہ یہ صرف سید الشھدا- پر گریہ کرنے کے لیے ہیں۔ایسا ہرگز نہیں سید الشہدا-اس گریہ کے محتاج ہیں نہ ہی یہ گریہ وزاری بذات خود کوئی بہت بڑا فعل ہے۔ بلکہ اصل میں ان مجالس کا سیاسی پہلو سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے ۱۷

اسی طرح وہ افراد جو ان مناسبتوں اور مراسم کو زیادہ سے زیادہ فقہی و اخلاقی مسائل بیان کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اهل منبر ایدهم اللّٰه تعالیٰ

کوشش کریں کہ لوگوں کے سامنے (فقہی و اخلاقی) مسائل بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی اسلامی سیاسی احکام کی طرف بھی صحیح راہنمائی کریں ۱۸۔

۴۔ایجاد وحدت بین شیعیان:

امام خمینیؒ اس امر سے بخوبی آگاہ تھے کہ کسی بھی تحریک خصوصاً انقلابی تحریک کی کامیابی کے لیے لوگوں میں حقیقی وحدت انتہائی اہم بلکہ کلیدی حیثیت کی حامل ہے ۔جب کہ مراسم عزاداری اور عاشورا حسینی کو شیعیان حیدر کرار میں وحدت قائم کرنے کا بہترین ذریعہ سمجھتے تھے چنانچہ اسی اہم نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مکتب اسلام نے ایسے ایام منانے کی تلقین کی ہے جن سے دیگر فوائد کے علاوہ لوگوں میں وحدت وہم آہنگی مستحکم اور مضبوط ہوتی ہے جیسے عاشورا اور چہلم امام حسین- ''۱۹۔

اسی طرح وحدت کی اہمیت اور عزاداری و عاشورا کو ایجاد وحدت کا اہم ذریعہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ہماری کامیابی وحدت کی مرہون منت ہے اور یہ وحدت مجالس عزاء مجالس گریہ وزاری اور مجالسِ ترویجِ اسلام کی وجہ سے ہی وجود میں آئی ہے۲۰۔

۵۔سیرت امام حسین -کو نمونہ عمل قرار دینا:

اپنی انقلابی تحریک کے لیے امام خمینیؒ نے سیرت امام حسین-کو مشعل راہ قرار دیا انہوں نے ایک تو اپنے قیام اور طرز عمل کو مشروعیت و جواز فراہم کرنے کے لیے سیرت آئمہ معصومین- بالخصوص امام حسین- کے قیام کو بنیاد بنایا۔دوسرا تمام شیعوں کو زبانی کلامی حمایت سے بڑھ کر عملی طور پر سیرت امام حسین- اپنانے پر وادار کیا اور آئمہ ÷ کے بیان کردہ حقیقی اسلام پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دی جس کی ذاتی خصوصیت اور خصلت ہی ظلم وستم کے خلاف قیام ومبارزہ تھی ذیل میں ہم ان پہلوؤں اور اقدامات کا مختصر جائزہ لیں گے جنہیں امام خمینیؒ نے عاشورہ حسینی سے اخذ کرتے ہوئے اپنی انقلابی تحریک کے عناصر ترکیبی قرار دیا۔

الف: ظلم کے خلاف قیام:

امام خمینیؒ نے اپنی تحریک اور جہد و جہد کا سب سے پہلا عنصر ظلم کے خلاف مبارزہ اور قیام کو قرار دیا۔ کیونکہ خود امام حسین- نے فرمایا

(مَنْ رأی سلطانا جائراً مستحلاً لحرام اللّٰہ)[۲۱]

اسی حدیث حسینی کو بنیاد بناتے ہوئے امام خمینیؒ فرماتے ہیں: امام حسین- واضح طور پر فرماتے ہیں اگر کوئی دیکھے کہ لوگوں پر ایک ظالم و جابر حاکم حکومت کر رہا ہے اور لوگوں پر ظلم کر رہا ہے تو اسے چاہیے کہ اس کے مقابلے میں اٹھ کھڑا ہو اور اسے اپنی پوری قدرت و توانائی کے ساتھ ظلم سے روکنے کی کوشش کرے[۲۲]

ب: ذلت آمیز سکوت سے گریز:

امام خمینیؒ نے

(هیات منا اِلّذلة)[۲۳]

جیسے عاشورائی شعار کی اساس پر کسی قسم کے ذلت آمیز سمجھوتے یا ساز باز اور سکوت یا خاموشی کو یکسر رد کر دیا اور لوگوں سے بھی یہی تاکید کی وہ کہ حضرت امام حسین- کے اس فرمان پر عمل کرتے ہوئے ہر قسم کی خاموشی اور سکوت کو توڑ ڈالیں کہ

(انی لا اَری الموت الا سعادةً و لا الحیاةَ مع الظالمین الا بِرماً)[۲۴]

یعنی میں موت کو سعادت کے علاوہ اور ظالمین کے ساتھ زندگی گزارنے کو ننگ و عار کے علاوہ کچھ نہیں سمجھتا۔ واضح رہے کہ

(الحیاة مع الظالمین)

سے مراد ظالمین کا ساتھ دینا یعنی ان سے تعاون کرنا نہیں ہے

بلکہ ظلم و ستم کے دور میں رہنا مراد ہے کہ جب اسلامی اقدار کو پامال کیا جا رہا ہو اور حدود اللہ کا مذاق اڑایا جا رہا ہو چنانچہ امام خمینیؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں پوری قوت سے آگے بڑھنا چاہیے

اوران تمام لوگوں کا جو ہم پر ظلم وستم کرنا چاہتے ہیں پوری قوت سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ذلت آمیز زندگی ایسی زندگی جو ظلم کے دور میں گزاری جائے اس سے بہتر ہے کہ انسان مرجائے ایسی زندگی سے تو موت (ہزار ھا درجہ) بہتر ہے۔۲۵

ج: مشکلات کے مقابلے میں صبر سے کام لینا :

امام خمینیؒ کی تحریک کا ایک اور اہم عنصر مشکلات پر صبر سے کام لینا ہے جسے انہوں نے عاشورا حسینی سے اخذ کیا ہے۔لیکن انہوں نے صبر کا وہ مفہوم مراد نہیں لیا جو ہمارے ہاں رائج ہے یعنی ظلم وستم کے مقابلے میں سر تسلیم خم ہونا بلکہ انہوں نے اس سے مراد اس کے صحیح وحقیقی معنی یعنی استقامت وثابت قدمی مراد لیے ہیں اور اپنی تحریک کے دوران پیش آنے والی مشکلات پر نہ صرف خود صبر واستقامت سے کام لیا بلکہ دوسروں کو بھی ایسا ہی کرنے کی تلقین کی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

تم لوگ ان پیشواؤں کے پیروکار ہو جنہوں نے (پہاڑ جتنے) مصائب ومشکلات کے مقابلے میں صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا آج جن (مصیبتوں) کا ہمیں سامنا کرنا پڑا رہا ہے۔ وہ ان (مصائب ومشکلات) کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں جو ہمارے پیشواؤں نے برادشت کیے ۲۶

ایثار وفداکاری:۔

حسینی تحریکی اور عاشورا سے اخذ کیا جانے والا ایک اور درس جسے امام خمینیؒ نے اپنی انقلابی تحریک کے بنیادی عناصر میں سے قرار دیا وہ ایثار وفداکاری ہے۔چنانچہ سیرت امام حسین- پر عمل کی تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: محرم ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ جس طرح آپ کے مولا حسین بن علی- نے فداکاری کا مظاہرہ کیا اور اپنی ہر چیز اسلام کی راہ میں قربان کردی، اسی طرح آپ کو بھی کہ جو حسین- کے شیعہ کہلاتے اور ہر دم ان کی محبت کا دم بھرتے ہیں انہی کی اقتداء کرتے ہوئے اپنی ہر چیز قربان کردینا چاہیے۔۲۷

نتیجہ بحث:

اس مختصر سی بحث کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی کہ جس تحریک کے عناصر ترکیبی درج بالا اصول ہوں اسے کسی بھی طرح شکست سے دوچار نہیں کیا جا سکتا بلکہ قیام حسینی کو مشعل راہ اور عاشورا حسینی کو نمونہ عمل قرار دینے سے ہی کوئی تحریک کامیابی سے ہم کنار ہو سکتی ہے۔ چنانچہ امام خمینیؒ اس حوالے سے فرماتے ہیں: اگر قیام حضرت امام حسین -نہ ہوتا تو آج ہم بھی کامیابی سے ہم کنار نہ ہو سکتے ۲۸

آخر میں اس نکتہ کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امام خمینیؒ نے عاشورا حسینی کا عمیق جائزہ اور گہرائی کے ساتھ مطالعہ اور پوری قاطعیت کے ساتھ اسے اپنے لیے نمونہ عمل قرار دیا اور پھر سنہرے حروف کے ساتھ تمام دنیا کے حسینیوں کے لیے ایک ابدی پیغام چھوڑا کہ تعداد میں قلیل ہونے کے باوجود قوی بازوؤں اور مطمئن قلب کے حامل وہ افراد خداوند تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ، عشق شہادت سے سرشار اور لقا اللہ کے عشق سے لبریز ہوں صرف وہی کامیابی سے ہم کنار ہوتے ہیں (آگاہ رہو)

کامیابی تلوار سے نہیں بلکہ خون سے ملتی ہے۔ ۲۹

حوالہ جات

۱۔ تحریرالوسیلہ،ج۱۔ص۳۶۹ (فارسی ترجمہ سید محمد باقر موسوی ہمدانی)

۲۔ صحیفہ نور، ج۱۳۔ص۲۱۸

۳۔ ایضاً ۴۔ صحیفہ نور ج۳۔ص۱۲

۵۔ محمد رضا حکیمی۔ قیام جاویدانہ،ص۸۷

۶۔ **من بکی او ابکی و احدًا فله الجنة ومن تباکی فله الجنة** ۔بحارالانوار ج۴۴۔ص۲۸۸

۷۔ صحیفہ نور ج۔۸۔ص۶۷ ۸۔ صحیفہ نور ج۱۷۔ص۳۴۷

۹۔ صحیفہ نور ج۹۔ص۴۴۵ ۱۰۔ مجلّہ حضور شمارہ۱۰۔ص۲۴

۱۱۔ آخرین انقلاب قرن۔ ج۲۔ص۹۰ ۱۲۔ کتاب ولایۃ الفقیہ ص۳۲۔۵۸

۱۳ کتاب ولایت الفقیہ ص۱۲۱ ۱۴۔ صحیفہ نور ج۲۱،ص۳

۱۵۔ صحیفہ نور ج۲۔ص۳۷۳

۱۶۔ تحلیلی از نہضت امام خمینیؒ سید حمید روحانی۔ ج۲۔ص۱۵۳

۱۷۔ صحیفہ نور امام خمینیؒ ج۱۳۔ص۱۵۳ ۱۸۔ صحیفہ نور ج۱۳۔ص۱۵۸

۱۹۔ صحیفہ نور ج۱۵۔ص۲۷۲ ۲۰۔ صحیفہ نور ج۳۱۔ص۷۰

۲۱۔ تاریخ طبری ج۴۔ص۳۰۴ ۲۲۔ صحیفہ نور ج۲۔ص۲۰۸

۲۳۔ مقتل خوارزمی ج۲۔ص۷

۲۴۔ تحف العقول۔ابن شعبہ حرانی۔ص۲۴۹ ۲۵۔ صحیفہ نور ج۱۸۔ص۲۱

۲۶۔ ایثار و شہادت در مکتب امام خمینیؒ ص۲۲۷ ۲۷۔ صحیفہ نور ج۱۸۔ص۱۷۸

۲۸۔ صحیفہ نور ج۱۷۔ص۔۔۔ ۲۹۔ صحیفہ نور ج۱۷۔ص۸۷

کربلا کے بعد امام زین العابدین -کا جہاد

از حجۃ الاسلام محمد اصغر عسکری

۶۱ھ کربلا میں حضرت امام حسین-اور آپ کے باوفا اصحاب وانصار نے جو قربانی دی ہے اس کی مثال نہیں ملتی اور شہداءِ کربلا نے قیامت تک آنے والے انسانوں کو درس حریت اور اپنے مکتب پر فدا ہونے کا سلیقہ سکھایا ہے واقعہ کربلا کے عینی شاہد سید الساجدین زین العابدین حضرت امام سجاد -بھی تھے کہ جن کو خدا نے مصلحت کی وجہ سے اس دوارن بیماری میں مبتلا کر دیا۔ مگر اس مصلحت وحکمت کے رموز اس وقت سامنے آئے جب اہل حرم کا یہ قافلہ امام کی رہبری میں کوفہ وشام کی طرف لے جایا گیا اور وہاں اس عظیم قافلے نے وقت کے ظالم اور طاغوت کو جس انداز سے رسوا کیا وہ عمل امام حسین -کی مقدس تحریک کا تکملہ ثابت ہوا۔

اگر چہ امام چہارم کو کربلا کے میدان میں جہاد کا موقع نہ مل سکا مگر کربلا سے کوفہ اور پھر کوفہ سے شام جو جہاد آپ نے فرمایا اس کی نظیر نہیں ملتی آیئے امام - کے اس عظیم جہاد کے بارے دیکھیں کہ کس انداز سے امام -نے دشمن دین کو اس کے بھرے دربار میں رسوا کیا اور بنی امیہ کے مکروہ چہرے کو ایسے بے نقاب کیا اور ان کی حقیقت کو ایسا آشکار کیا کہ اب قیامت تک کے لیے کوئی بھی یزید روپ دھارنے سے چھپ نہیں سکتا اور قیامت تک کے لیے ان کی حقیقت کو ایسا آشکار کر دیا کہ اب کوئی بھی روپ دھارنے سے حقیقت کو نہیں چھپایا جا سکتا۔

تو لاکھ چھپے پردوں میں اے شکل یزیدی
لعنت تیری تصویر پہ ہم کرتے رہیں گے

حقیقت میں سب سے بہترین فرصت جو امام سجاد - کو اسیری کے اس سفر میں میسر آئی وہ دن تھا کہ جب شام میں خلیفے کا رسمی اور درباری خطیب منبر پر گیا اور مولائے کائنات حضرت امیر المومنین - اور آپ کے فرزندان کو سب وشتم اور حاکم شام اور فرزندان معاویہ کی مدح وثنا کرنے لگا۔ اگر چہ یہ سب کچھ یزید کے اشارے پر ہو رہا تھا اور یزید نے حکم دیا تھا کہ منبر لگایا جائے اور خطیب شام کے لوگوں کو امام حسین- اور آپ کے والد گرامی کی خامیوں کو بیان کرے (نعوذ باللہ)

مگر یزید اپنی اس سازش میں ناکام و نامراد ہوا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ سارا منصوبہ جو حق واہل حق کو مٹانے کے لیے بنایا گیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوسکتا ہے کہ یہ منبر خود اہل باطل کے لیے رسوائی کا باعث بن جائے۔

امام زین العابدین - کا دمشق شہر میں گفتگو کرنا اس لیے بھی ضروری تھا کیونکہ جس دن سے مسلمانوں کا اس شہر پر تسلط قائم ہوا اس تاریخ سے یکم صفر ۶۱ھ تک جب اہل بیت ÷ کے اُسراء کو اس شہر میں لایا گیا یعنی تقریباً 46 سال مسلسل بنی امیہ کے نفوز میں تھا اور وہاں کی نام نہاد اسلامی حکومت ان اموی حکمرانوں کے ہاتھ میں ہوئی تھی کہ جو اہل بیت÷ کے دیرینہ دشمن تھے۔

دمشق کی حکمرانی کچھ عرصہ یزید ابن ابی سفیان کے پاس رہی پھر ۱۸ھ میں جب وہ فوت ہوا تو خلیفہ دوم نے اس کے بھائی معاویہ کو حاکم بنایا اور معاویہ ۱۸ھ سے لے کر مولائے کائنات حضرت علی ابن ابی طالب- کی خلافت کے زمانے تک مسلسل حاکم شام رہا اور پھر حضرت امیر المومنین اور امام حسن مجتبی - کی خلافت کا زمانہ جو پانچ سال تک معاویہ کما کان حاکم شام رہا اور دمشق اہل بیت÷ کی دشمنی کا ایک مرکز تھا اور پھر امام حسن - جب خلافت سے دور ہوئے ۶۱ھ تک یعنی ۲۰ سال کا یہ عرصہ پہلے سے بھی

زیادہ اہل بیت÷ اور بالخصوص مولای کائنات حضرت امیر المومنین- سے دشمنی کا دور تھا لہذا تھا لہذا امام چہارم ضروری سمجھتے تھے کہ اس مرکز دشمنان اہل بیت میں گفتگو فرمائیں اور 46 سالہ اس سیارہ دور میں جو حقائق پنہاں تھے ان سے پردہ ہٹا ہیں۔

امام - کا گفتگو کرنا اگر چہ آسانی سے میسر نہیں آیا بلکہ بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مگر یہ فرصت بہت قیمتی فرصت تھی کہ جس سے امام - نے خوب استفادہ کیا اور وہی منبر جس کو خلیفہ وقت نے امام - کے اجداد کی توہین کے لیے سجایا تھا اور وہ مجمع جو 46 سال کے غلط پروپیگنڈا کا شکار تھا۔ امام - کے ایک خطبے نے اتنا اثر دکھایا کہ 46 سال کے غلط پروپیگنڈا کے نتیجے میں وہ دل جو اہل بیت÷ کی دشمنی کی وجہ سے تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔

اس قدر روشن ہو گئے کہ وہیں بھرے دربار میں یزید و یزیدیت سے نفرت کرنے لگے اور وہ چہرے جو سالہا سال سے یزید کے حامی تھے اس کے دشمن بن گئے اور شام کے لوگوں کی اکثریت اس بات سے ناآگاہ تھی کہ حضرت امام حسین-، حضرت حمزہ بن عبد المطلب - کے اسلام پر تھے اور لوگ اس بات سے جاہل تھے کہ رسول خدا نے جناب حسین - کے بارے میں فرمایا ہے کہ

الحسن و الحسین سید اشباب اهل الجنة.

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر امام سجاد- اور حضرت زینبؑ اس فرصت سے استفادہ نہ کرتے تو پھر شاید بنی امیہ کی خلافت کے خاتمے یعنی 132 ھ تک یہ موقع نہ ملتا کہ اہل بیت÷ کی بزرگی اور بزرگواری کے بارے میں دمشق جیسے مرکز دشمنان میں بات ہوتی لیکن ان خطبات کے بعد نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ وہی بنی امیہ کی خلافت وحکومت کہ جو 46 سال سے چلی آرہی تھی جس کی بنیاد اہل بیت÷ اور خاندان

بنی ہاشم سے دشمنی پر تھی اور جس حکومت میں حضرت امیر المومنین کے پیروکاروں کو شکنجوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا ان خطبات کے بعد بنی امیہ کو وہ رسوائی ہوئی کہ جو قیامت تک تاریخ کا حصہ بن گئی۔

جب خلیفہ وقت نے درباری خطیب کو منبر پر آنے کا حکم دیا اور ضمیر فروش خطیب خدا کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد حضرت امیر المومنین اور امام حسین- کی شان میں جسارت کرنے لگا اور معاویہ واولاد معاویہ کی حمد وثنا میں حد سے بڑھ گیا اور ہر قسم کی خیر کو ان دو باپ بیٹے کی طرف ایسے نسبت دی جیسے لگتا تھا ہر قسم کے فضائل وکمالات کا سرچشمہ یہ ہیں اور دنیا میں جو کچھ ہے آل اُبی سفیان سے ہے اور نعوذ باللہ ان کے علاوہ اور کوئی خدا کی رضا وخوشنودی کا راستہ نہیں ہے یہ وہ موقع تھا کہ حیدر کرار کے پوتے نے بھرے دربار میں یزید ویزیدیت کے طلسم کو توڑتے ہوئے بغیر کسی خوف وہراس کے فرمایا؛

'ویلک ایها الخطیب'

تم پر ہلاکت ہو اے خطیب تو نے خالق کو ناراض کر کے مخلوق کو راضی کرنے کی کوشش کی ہے۔اور تو اس عمل سے جہنمی بن گیا ہے امام- اس درباری خطیب کو ملامت کرنے کے بعد یزید ملعون کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا مجھے اجازت ہے کہ میں اس لکڑی پر جاؤں اور ایسی گفتگو کروں کہ جس سے خدا بھی راضی ہو اور سامعین کے لیے بھی اجر وثواب کا باعث بنے۔

امام- کے ان مختصر جملات میں بہت گہرے مطالب پوشیدہ ہیں اور کہا جا سکتا ہے کہ امام نے اپنے پورے خطبے کو اس جملے میں خلاصہ کر دیا ہے۔سب سے پہلے تو امام نے منبر نہیں کہا بلکہ فرمایا اجازت ہے کہ اس لکڑی پر جا کر گفتگو کروں یعنی امام یہ فرمانا چاہ رہے تھے کہ ہر لکڑی کی بنی ہوئی چیز جس پر خطیب جا کے گفتگو کرے منبر نہیں ہوتا بلکہ یہ

لکڑیاں دین کو ختم کرنے کے لیے بنائی گئی ہیں اور نہ ہر آدمی جو خطیب کی شکل اور لباس میں منبر پر آتا ہے۔ مبلغ دین و مذہب ہوتا ہے۔ بلکہ اس خطیب نے اپنی دنیا کے عوض اپنا دین بیچ دیا ہے اور مخلوق کی رضا و خوشنودی کے لیے خدا کی ناراضگی کو مول لیا ہے اور جہنمی بن گیا۔

پھر امام- نے یہ فرمایا میں ایسی گفتگو کرنا چاہتا ہوں جو خدا کی خوشنودی کا باعث بنے یعنی امام - یہ فرما رہے تھے کہ جو کچھ اس خطیب کی زبان پر جاری ہوا ہے وہ خدا کی ناراضگی کا باعث ہے اور علی - جیسے ولیِ خدا کو سب و شتم کرنے سے خدا کی رضا ہرگز حاصل نہیں کی جا سکتی۔

جیسے یزید کی طرح فاسق و فاجر کی مدح و ثنا کر کے کبھی رضاءِ خدا نہیں مل سکتی اور دوسرے لفظوں میں امام - کی مراد یہ تھی کہ اس خطیب کی گفتگو کو سننا سوائے گناہ اور بدبختی کے کچھ نہیں دے سکتا اور لوگوں کو انحراف و گمراہی کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

لوگ اصرار کر رہے تھے کہ یزید امام کو گفتگو کی اجازت دے مگر یزید نہیں چاہ رہا تھا کیونکہ جانتا تھا کہ یہ وہ خاندان ہے کہ جن کو دودھ میں ایسا علم و معرفت ملا ہے کہ اگر اجازت دے دوں تو مجھے رسوا کر دے گا۔ مگر لوگوں کے بہت زیادہ اصرار کی وجہ سے مجبور ہو کر یزید نے اجازت دے دی امام - منبر پر تشریف لائے اور جو گفتگو فرمائی اس نے شامیوں کے مجمے پر ایسا اثر دکھایا کہ لوگ رونے لگے ہر آنکھ اشکبار تھی رونے کی صدائیں بلند ہونے لگیں اور دربار یزید مجلس حسین- کا منظر پیش کرنے لگا۔

فرزند حسین- نے اپنی گفتگو میں اہل بیت÷ کے مقام کو بیان فرمایا اور اہل بیت÷ کے فضائل سے پردہ اٹھایا اور ایک مسلمہ عقلی اصول کو سند بناتے ہوئے فرمایا کہ جو لوگوں کا راہنما ہوتا ہے اسے لوگوں سے افضل ہونا چاہیے تب وہ پیروی کے قابل ہے نہ

وہ جو خود اپنے آپ کو لوگوں کا رہبر بنا دے۔

'فما لکم کیف تحکمون'

جو ہیں رستوں سے ناواقف انہیں رہبر بناتے ہیں۔

امام- نے اپنے خطبے میں واضح کیا کہ کسی قبیلے یا قوم کی برتری کا معیار کیا ہے اور بتایا کہ اہل بیت ÷ دوسروں پر فضلیت رکھتے ہیں اور یہ فضلیت چھینی نہیں جا سکتی کیونکہ خدا نے اس خاندان کو دوسروں پر برتری دی ہے اور مسلمانوں کی ہدایت وراہنمائی کے لیے ان کو منتخب کیا ہے۔

امام - نے فرمایا

'یایھا الناس اعطینا ستا و فضلنا بسبع اعطینا العلم و الحلم و السماحة و الفصاحة و الشجاعة و المحبة فی قلوب المومنین

'اے لوگوں! خدا نے ہمیں چھ ایسی چیریں عطا کی ہیں جو کسی قوم و قبیلے کو نہیں دی گئی۔

اور سات چیزوں کے ذریعے ہمیں دوسروں پر برتری دی گئی ہے وہ چھ چیزیں جو ہمیں عطا کی گئی ہیں وہ یہ ہیں۔

پہلی چیز علم جو کسی قوم وملت کی برتری کی بنیادی شرط ہے ہمیں دیا گیا۔

دوسری چیز حلم و بردباری جو لوگوں کی تعلیم وتربیت کے لیے لازمی ہتھیار ہے۔

تیسری چیز سخاوت وسماحت سے ہمیں نواز گیا کہ جو حاکمانِ سلامی کے لیے ضروری اور سنت حسنہ ہے۔

چوتھی چیز جو ہمیں دی گئی وہ فصاحت ہے یعنی بیان اور گفتگو کا فن ہے کہ جو لوگوں کی ہدایت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے،

لوگوں کے افکار کو جلا دینے اور جہاد پر لوگوں کو آمادہ کرنے کے لیے ضروری ہے۔

اور ہمارے خاندان کو ایسی شجاعت دی ہے کہ ایثار و قربانی اور سفداکاری کی جو داستانیں ہمارے خاندان نے رقم کی ہیں تاریخ میں اس کی مثال نہ ملی ہے اور نہ ملے گی اور چھٹی چیز جو خدا نے ہمیں دی ہے وہ مومنین کے دلوں میں محبت ہے کہ جس کی بنیاد پر حکومتیں قائم رہتی ہیں۔

گویا امام- نے یوں فرمایا ہے کہ اے یزید تو لاکھ کوشش کرے ہمارے نام کو مٹانے کی اور 46 سال کوشش کی گئی مگر ہماری محبت لوگوں کے دلوں میں اتنی راسخ ہو چکی ہے کہ آج 46 سال بعد بھی تیرے دربار میں لوگ تجھے بُرا بھلا کہیں گے اور تجھے ملامت کریں گے۔ ہم خاندان وحی نبوت کی محبت لوگوں کے دلوں سے نہیں نکالی جا سکتی۔ پھر امام- نے فرمایا:۔

'فصلنا بأنّ منّا النبی المختار و منّا الصدیق و منا الطیار و منّا اسد الله و اسد رسوله و منّا سبطا هذه الامة'

یعنی سات چیزوں سے ہمیں دوسروں پر فضلیت دی گئی ہے خدا کے برگزیدہ رسول ہم میں سے ہیں ان کے وصی علی المرتضی -ہم میں سے ہیں۔

خدا اور رسول خدا ﷺ کے شیر حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہم سے ہیں

جعفر طیارہ ہم سے ہیں اس امت کے دو سبط امام حسن- و امام حسین- ہم میں سے ہیں؛ اور اس امت کے مہدی -بھی ہم سے ہیں حقیقت میں امام - یزید کو للکار رہے تھے۔ کہ اگر تیری ہمت ہے تو یہ اعزاز ہم سے چھین لے اور اگر تو تاریخ میں تحریف کر سکتا ہے تو کر کے دیکھ لے تم سے پہلے بھی تیرے اسلاف نے یہ ناکام کوشش کی ہے مگر جب تک اسلام زندہ ہے اہل بیت÷ کے ان عظیم کارناموں اور فضائل کو نہیں چھپایا جا

سکتا۔اور بنی ہاشم کے یہ عظیم افراد حضرت ابوطالب-،حضرت حمزہ-،حضرت علی-،جعفر طیار -،اور حسنین شریفین ÷ تاریخ اسلام میں خدا کے دین کے سچے محافظ اور خدمت گزار نظر آئیں گے اور پھر سب سے بڑھ کر خود رسول گرامی ﷺ اسلام بھی بنی ہاشم سے ہیں اتنی نورانی شخصیات اور عظیم کارناموں کے ہوتے ہوئے ہمیں کیسے بدنام کیا جا سکتا ہے اور ہماری محبت لوگوں کے دلوں سے کیسے چھینی جاسکتی ہے؟

تاریخ گواہ ہے کہ لوگوں نے تختہ دار پر بھی ہمارے فضائل بیان کیے ہیں گردنیں تو کٹوا دیں مگر ہم اہل بیت ÷ سے برات کو قبول نہ کیا پھر امام نے اپنا تعارف کرانا شروع کیا اور یزید و یزیدیوں نے جب دیکھا کہ معاملہ برعکس ہو رہا ہے اور یہ گفتگو اگر جاری رہی تو یہیں پر لوگ ہمارے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے لہذا موذن کو حکم دیا گیا کہ اذان دے تا کہ یہ گفتگو ختم ہو جائے۔

جیسے ہی موذن نے اذان دی امام -اذان کے احترام میں خاموش ہو گئے مگر جیسے ہی موذن نے کہا

اشهدان محمدا رسول الله

مولیٰ نے عمامہ سر سے اتار دیا موذن کو خطاب کر کے فرمایا:

اس رسول اللہ کا واسطہ جس کا نام لے رہا ہے خاموش ہو جا موذن خاموش ہوا تو مولی یزید کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا

یہ پیغمبر بزرگوار کیا تیرے جد ہیں یا میرے جد ہیں؟

اگر تو نے کہا کہ تیرے جد ہیں تو لوگ جانتے ہیں کہ تو نے جھوٹ کہا ہے اور اگر تو مانتا ہے کہ میرے جد ہیں تو پھر تو نے میرے باپ کو قتل کیوں کیا ہے؟

ان کے مال کو کیوں لوٹا اور ان کے اہل حرم کو کیوں اسیر کیا ہے؟۔

البتہ ایک نکتے کی وضاحت ضروری ہے کہ اسیران شام کے یہ خطبات اُن پر ہونے والے عظیم مصائب اور عواطف روحی کا نتیجہ نہیں تھے بلکہ جو کچھ ان اُسراء نے شام کے اس سفر میں بیان فرمایا ہے۔ وہ ایک منظّم اور دقیق پلاننگ کا حصہ تھا اور جہاں جتنی گفتگو ضروری تھی اتنی گفتگو فرمائی ہے۔

جیسے امام حسین- اپنے قیام اور تحریک کربلا کے نتیجے کو جانتے تھے اور بڑی بصیرت سے اس راستے کو اختیار کیا تھا ایسے ہی اسیران شام بھی اپنے ہر عمل پر مکمل بصیرت رکھتے تھے اور جہاں ضرورت محسوس کی ہے وہاں ضرورت کے مطابق گفتگو فرمائی ہے۔

بہت سے لوگ امام چہارم کے اس خطبے کی گہرائیوں کو نہیں جانتے تھے بلکہ یہ سمجھتے تھے کہ ایک سوگوار بیٹا اپنے باپ اور عزیزوں کے غم میں فریاد کر رہا ہے مگر طول تاریخ میں واضح ہوتا گیا کہ وہ ایک سوگوار کی فریاد ہی نہیں بلکہ امام- قیامت تک کے لیے حق و باطل کے چہرے کو آشکار فرما رہے تھے کہ ایک طرف فرمایا

انا ابن مکه ومنی انا ابن زمزم وصفا .----

میں مکہ کا فرزند ہوں میں زمزم وصفا کا بیٹا ہوں---

اور دوسری طرف تاریخ نے یزید کی اس فریاد کو بھی ضبط کیا جب اس نے کہا

لعبتهاشم بالملک لا خبر جا ولا وحی نزل

یعنی نہ کوئی وحی آئی ہے اور نہ کوئی رسول تھے بلکہ یہ بنی ہاشم کا کھیل تھا (نعوذ باللہ)

حسن اختتام کے لیے امام- کے اس خطبے کا اقتباس پیش کرتے ہیں جو آپ نے مدینے کے قریب جب پہنچے تو بیان فرمایا

الحمد لله رب العالمين .....ايها القوم ان الله وله الحمد ابتلانا بمصائب جليلة وتلمة فی الاسلام عظيمة قتل ابو عبدالله

الحسین –وعترته وسبی نساءُ ه وصبیه وداروابراسه فی البلدان من فوق عامل السنان وهذه الدزیه التی لامثلها رزیة

امام- نے خدا کی حمد وثنا اور آنے والی مصیبتوں پر خدا کا شکر ادا کرنے کے بعد تاریخ عاشورا کو چند جملوں میں خلاصہ کر دیا۔

فرمایا: اے لوگو! اس خدا کا ہر حال میں شکر ادا کرتا ہوں جس نے ہمیں بہت بڑی مصیبتوں میں آزمایا اور اسلام میں ایک عظیم شگاف پیدا ہوا ہے کہ ابا عبداللہ - اور ان کی عترت کو قتل کر دیا گیا ان کی خواتین اور بچوں کو قیدی بنایا گیا اوان کے سر کو نوک نیزہ پر سوار کرا کے اسلامی ملکوں میں پھرایا گیا۔۔۔۔۔پھر فرمایا اے لوگو! ہمارے ساتھ وہ سلوک کیا گیا جو کافروں سے کیا جاتا ہے جب کہ ہم نے کوئی گناہ کیا نہ کسی جرم کے مرتکب ہوئے۔

خدا کی قسم اگر رسول خدا ﷺ ان لوگوں کو ہمارے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیتے تو یہ لوگ اس سے بڑھ کر ظلم نہ کرتے۔

امام سجاد - کا خطبہ اگر چہ ختم ہو گیا اور اہل بیت÷ اپنے گھروں میں وادر ہو گئے مگر امام سجاد - کے ان خطبات نے ہمیشہ کے لیے خدا کی راہ میں فدا کاری اور جانثاری کے سارے اعزاز بنی ہاشم کے نام ثبت کر دیے اور دشمنوں کو ظالموں جابروں اور طاغوتوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔

اس عظیم اعزاز کو اپنے لیے اور اس بدنامی کو دشمنوں کے نام ثبت کر دیا۔ اور ان دونوں کرداروں کو ایسا روشن کیا کہ قیامت تک کوئی تاریخ نگار اس تاریخ میں دست درازی کی ہمت وجرات نہیں کرے گا۔

اسلام کی روشنی میں سود کی حرمت

از: سید رمیز الحسن موسوی

دین اسلام میں انفاق کو پسندیدہ اور سود کو حرام قرار دیا گیا ہے چونکہ انفاق سے معاشرہ زندہ ہوتا ہے اور سود سے معاشرے کی معاشی موت واقع ہو جاتی ہے اور سود خور معاشرہ اسلامی نقطہ نظر سے مردہ معاشرہ تصور ہوتا ہے۔قرآن نے جہاں سود کی حرمت بیان کی ہے وہاں انفاق کی تشویق دلائی ہے تا کہ اسلامی معاشرے زندہ رہیں اور مال وثروت خون کی طرح معاشرے کی رگوں میں گردش کرتا رہے چونکہ خون کا جاری رہنا بدن کی حیات کی علامت ہے۔سودی خوری کے نتائج اور اثرات،انفاق کے اثرات اور نتائج کے برعکس ظاہر ہوتے ہیں اور درحقیقت انفاق اور راہ خدا میں خرچ سود کی ضد ہے۔قرآن میں انفاق کی آیات کے بعد سود کی حرمت والی آیت ہے جو معاشرے کے اقتصادی معاملات کے بارے میں قرآنی احکام کا تسلسل ہے۔سود طبقاتی تفاوت میں اضافے اور چند لوگوں کے پاس سرمائے کی ریل پیل اور معاشرے کی اکثریت کے لئے محرومیت کا پیغام لاتا ہے۔لہذا قرآن نے سختی کے ساتھ سود کی حرمت کو بیان کیا ہے۔اس سے پہلے کہ ہم سود کی حرمت کے بارے میں قرآنی آیات کا مطالعہ شروع کریں،سود اور ربا کی تعریف اور اس کے مطالعہ کی اہمیت بیان کرنا ضروری ہے۔

ربا کا لغوی اور اصطلاحی معنی!

عربی زبان میں ''سود'' کو ربا کہتے ہیں۔ربا کے بارے میں اہل لغت نے مختلف معانی بیان کئے ہیں۔ابن منظور لسان العرب میں لکھتے ہیں:''والاصل فیه الزیادة مِن رِبا المال اذا زادَ وَارتفع ونما''۔یعنی؛لغوی اعتبار سے مال اور ثروت میں وجود میں آنے والی ایک قسم کی زیادتی اور اضافہ کو ربا کہتے ہیں۔[1]

ابن منظور مزید لکھتے ہیں:

''وهو فی الشرع الزیادةُ علی اصل المال مِن غَیرِ عقد تُبایَع''۔

شرع اسلام میں عقد (بیع وشرا) کے بغیر سرمائے پر ایک قسم کے اضافے کو ربا کہتے ہیں۔

راغب اصفہانی کے نزدیک:

''الرِّبا الزیادہ علی المال لکن خُصَّ فِی السّرعِ ربا لِزیادۃ عَلی وَجہ دُونَ وجہٍ''۔

یعنی؛ سرمائے میں اضافے کو ربا کہتے ہیں لیکن شرع اسلام میں مطلق اضافہ کو نہیں بلکہ سرمائے پر ایک مخصوص اضافے کو ربا کہا جاتا ہے۔[۲]

پس یہ بات واضح ہوگئی کہ ''ربا'' کا معنیٰ زیادتی ہے اور اس سے مراد یہی ہے کہ اس کے مقابلے میں کوئی شئے نہ ہو ورنہ کسی مال یا عمل کے مقابلے میں وصول کی جانے والی رقم کو زیادتی نہیں کہا جاسکتا۔

سود کے بارے میں مطالعہ کی ضرورت:

عصر حاضر میں سود کے بارے میں جاننا اس لئے ضروری ہے کہ معنویت کے فقدان اور مادیت کے عام ہوجانے کی وجہ سے مال وثروت جمع کرنے کی ایک دوڑ لگی ہوئی ہے اور ہر شخص حلال وحرام طریقے سے مال ودولت جمع کرنا چاہتا ہے۔جس کی وجہ سے سودی کاروبار اور ربوی لین دین میں کوئی قباحت نہیں سمجھی جاتی اور بین الاقوامی معاشی سیاست کی وجہ سے اس وقت مسلمان معاشروں میں بھی سودی لین دین عام ہو چکا ہے۔اور بہت سے لوگ سودی کاروبار کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے حتیٰ بظاہر دیندار حضرات بھی مختلف توجیہات اور شرعی حیلوں کے ذریعے سود کھانے میں مشغول ہیں اور اس کے معنوی ووضعی (طبعی) اثرات سے غافل ہو چکے ہیں

اس لئے سود کی حرمت کے بارے میں قرآنی احکام کا مطالعہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے تاکہ وہ سودخوری کے دنیوی اور اُخروی عواقب سے آگاہ ہوجائے اور اسلامی معاشرے کو اس لعنت سے نجات دلائی جاسکے۔

سود سے متعلق ابحاث کی تقسیم

سود کے بارے میں مختلف پہلوؤں سے بحث کی جاتی ہے۔ایک قرآن وسنت کی روشنی

میں اس کی حرمت کی بحث ہے اور دوسری بحث ربا اور سود کے موضوعات اور عملی زندگی پر اس کی تطبیق کی بحث ہے۔ پہلا موضوع علم تفسیر اور روائی معارف سے تعلق رکھتا ہے جبکہ دوسرا موضوع علم فقہ کی قلمرو میں داخل ہے اور ایک فقیہ اور ماہر شریعت ہی موضوعات ربا کی تشخیص دیکر اس کے احکام شریعت بیان کرسکتا ہے۔لیکن بحیثیت مسلمان ہمارے لئے ہر دو موضوعات اہم ہیں؛ قرآن وسنت کی روشنی میں سود کی حرمت اور ممانعت سے آگاہ ہونا بھی ہمارے لئے ضروری ہے اور فقہ وشریعت میں موضوعات ربا کی پہچان بھی ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔ پہلے مرحلے میں ہم قرآن وسنت میں سود کی حرمت سے آگاہی حاصل کرتے ہیں۔

قرآن میں سود کی حرمت والی آیات

قرآن نے سود کے بارے میں دو لہجوں میں بات کی ہے ایک لہجہ نرم ہے اور اخلاقی لحاظ سے سود کو بُرا قرار دیتا ہے جبکہ دوسرے لہجے میں سختی کے ساتھ سود سے منع کیا گیا ہے۔

خدا نے بعض آیات میں اسے ظلم کے مترادف قرار دیا ہے اور بعض میں اسے خدا اور سولؐ کے ساتھ جنگ کہا ہے۔بعض دوسری آیات میں یہود کی مذمت کرتے ہوئے سود کو بھی بُرا کہا ہے۔قرآن میں اور بھی بہت سے گناہوں کی ممانعت کا حکم آیا ہے اور ان پر سخت عذاب کا وعدہ دیا گیا ہے لیکن جس قدر سخت الفاظ سود کے بارے میں کہے گئے ہیں اس قدر سخت الفاظ کسی اور گناہ کے بارے میں نہیں کہے گئے ۔اسی طرح احادیث میں بھی سود سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے ۔اسی لئے نبی اکرمؐ نے اسلامی حکومت کی قلمرو میں سود کو روکنے کے لئے سخت ترین اقدام فرمائے ۔خود آپؐ کے چچا حضرت عباس ایک بڑے مہاجن تھے۔ حجۃ الوداع میں آپؐ نے اعلان فرمایا کہ جاہلیت کے تمام سود ساقط ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے چچا کا سود ساقط کرتا ہوں ۔چونکہ قرآن نے سود سے بہت سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی تھی اسی کی اتباع میں آپؐ نے بھی سود کی ممانعت کے سلسلے میں سخت ترین رویہ اختیار فرمایا۔ قرآن کی جن آیات میں سود کی حرمت بیان ہوئی ہے وہ بالترتیب یہ ہیں۔[۳]

پہلی آیت:

"وَ مَآ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ رِّبًا لِّیَرۡبُوَا فِیۡۤ اَمۡوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرۡبُوۡا عِنۡدَ اللّٰہِ وَمَآ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ زَکٰوۃٍ تُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُضۡعِفُوۡنَ ".[۴]

(اور جو تم سود دیتے ہو کہ لوگوں کے لئے مال میں افزائش ہو تو اللہ کے نزدیک اس میں افزائش نہیں ہوتی البتہ تم جو زکوٰۃ صرف رضائے الٰہی کے لئے دیتے ہو تو ایسے لوگ دوگنا اجر پانے والے ہیں)

نکات:

1۔سورۂ روم کی اس آیت میں سود کے بارے میں اخلاقی نصیحت ملتی ہے کہ سودخوری اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی پسندیدہ کام نہیں۔یعنی سود سے بظاہر اضافہ معلوم ہوتا ہے لیکن دراصل ایسا نہیں ہوتا بلکہ اس کی نحوست

بالآخر دنیا اور آخرت میں تباہی کا باعث ہے۔

2۔اس آیت کی ایک تفسیر اس طرح کی گئی ہے کہ اگر کسی نے کوئی مال یا پیسہ کسی کو بطور قرض دیا ہے اور بعد میں مقروض شخص اصل قرض واپس کرتے وقت کچھ مال یا پیسہ زیادہ دے دیتا ہے تو تو یہ اضافی مال و پیسہ حلال ہے اور ایک قسم کا ہدیہ ہے۔اس معنیٰ کی طرف کچھ احادیث میں بھی اشارہ ملتا ہے۔اس صورت میں جو پیسہ دیا جاتا ہے اُس کا اصل بھی لوٹ آتا ہے اور اس کے ساتھ کچھ اضافہ بھی قرض دینے والے کو بطور ہدیہ مل جاتا ہے۔لیکن جو چیز بطور زکوٰۃ دی جاتی ہے اُس کا نہ اصل واپس آتا ہے نہ اضافہ۔وہ فقط خدا کی بارگاہ میں ثواب واجر کا سبب بنتا ہے اور ادا کرنے والے کا شرعی فریضہ انجام پاجاتا ہے۔

3۔اس کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ جس زمانے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اس زمانے میں مکہ وطائف کے لوگوں میں سودی لین دین عام تھا اور یہ ایک رائج اقتصادی طریقہ اور کاروبار سمجھا جاتا تھا۔قرآن اس کاروباری طریقہ کو ختم کرنا چاہتا تھا لیکن وہاں کے لوگ ابھی اسلام وقرآن پر سنجیدہ

طور پر ایمان نہیں لائے تھے اور سود خوری کے عادی تھے اور اس عادت کو تدریجاً ہی ختم کیا جا سکتا تھا لہذا قرآن نے انتہائی نرم لہجے میں لوگوں کو سود کی حرمت کی طرف متوجہ کرایا اور فرمایا: اس طرح سود کھانا خدا وند کے نزدیک باقیات الصالحات نہیں بن سکتا لیکن زکات باقی الصالحات بن سکتی ہے۔ پس یہ آیت، سود کی ابتدائی حرمت اور زکات کے وجوب کو بیان کرنے کے لئے ایک تمہید اور مقدمہ کا کام کر رہی ہے۔ چونکہ اس دور کے عرب معاشرے میں سودی کاروبار ایک اقتصادی سسٹم سمجھا جاتا تھا جس کی وجہ سے ایک سسٹم کو ختم کرنے کے لئے زمین ہموار کرنا ضروری تھی تا کہ لوگ زکات کے معنوی فوائد سے آگاہ اور سود کے معنوی و روحانی مضرات کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

دوسری آیت:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ "[۵]

"اے ایمان والو! بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ فلاح پاؤ"۔

نکات:

1۔ چونکہ غزوہ احد میں ناکامی، رسول ﷺ کی نافرمانی اور مال دنیا کے لالچ کے سبب ہوئی تھی اس لئے اب طمع دنیا کی سب سے زیادہ بھیانک اور مستقل شکل، سود سے منع کیا جا رہا ہے اور اطاعت کی تاکید کی جا رہی ہے اور بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ کا یہ مطلب نہیں کہ بڑھا چڑھا کر نہ ہو تو مطلق سود جائز ہے بلکہ سود کم ہو یا زیادہ مفرد ہو یا مرکب مطلقاً حرام ہے جیسے کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے جس سے تنبیہ بھی مقصود ہے کہ سود خوری سے باز نہ آئے تو یہ فعل تمہیں کفر تک پہنچا سکتا ہے۔

2۔ زمانہ جاہلیت میں عرب سود خوری کی عادت میں مبتلا تھے۔ خصوصاً مکہ کے گرد و نواح میں سود خوروں کا مرکز تھا اور اُن کی دوسری بہت سی اجتماعی برائیوں کا اصلی سبب یہی سود خوری کی عادت تھی۔ لہذا قرآن مجید نے عربوں کی اس عادت کو چند مراحل میں ختم کرنے کا کام شروع کیا چونکہ قرآن

کا طریقہ ہی یہ ہے کہ وہ معاشرتی برائیوں کو آہستہ آہستہ ختم کرتا ہے خصوصاً جن برائیوں کی جڑیں بہت زیادہ گہری ہوں اُن کو تدریجاً ختم کیا جاتا ہے سودخوری جیسی برائی کو بھی قرآن نے تدریجاً ختم کیا ہے۔جیسا کہ ہم نے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ سود کی حرمت کے بارے میں قرآن کی بعض آیات کا لہجہ انتہائی نرم ہے اور اُن میں فقط اخلاقی نصیحت کے طور پر سود کی حرمت بیان ہوئی ہے جیسا کہ سورۂ روم کی آیت میں ہے۔لیکن جب معاشرے پر سود کی حرمت کا فلسفہ واضح ہوجاتا ہے تو قرآن کا لہجہ بھی سخت ہوجاتا ہے اور سودخوری پر عذاب کی وعید سنائی جاتی ہے۔جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۷۵ میں ہے۔مذکورہ بالا آیت میں بھی سود کی حرمت کے تیسرے مرحلہ کو بیان کیا جاتا ہے اور اس میں سود کی حرمت کو صراحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے لیکن سود کی صرف ایک قسم کی طرف جو بہت بُری قسم ہے ،اشارہ ہوا ہے۔اس آیت میں سود کی سب سے بری قسم کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور

''اَضۡعَافًا مُّضَعَفَة ''

(چند در چند)

کی تعبیر استعمال ہوئی ہے۔ربائے فاحش سے مراد یہ ہے کہ اصل سرمایہ ہی اضافی سود کے ساتھ ساتھ بڑھتا رہے،یعنی؛سود پہلے مرحلے میں اصل سرمائے میں جمع ہوجائے اور آئندہ اصل سرمائے میں سود جمع ہونے پر جو سرمایہ بنا ہے اس پر سود لگے اور اسی ترتیب سے ہر مرتبہ کا سود اضافی سرمایہ بن کر گذشتہ سرمائے میں جمع ہوتا جائے اور سرمائے کی نئی رقم تشکیل دیتا جائے اور اس طرح قلیل مدت میں ایک دوسرے پر سود کی زیادتی کی وجہ سے مقروض کے قرضے کا مجموعہ اصل قرضہ سے کئی گنا زیادہ ہوجائے اور اس کی زندگی مکمل طور پر دیوالیہ ہوجائے جیسا کہ روایات اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ معمول تھا کہ اگر مقروض،قرض کی مدت ختم ہونے پر قرض نہیں ادا کرسکتا تھا تو قرض خواہ سے تقاضا کرتا کہ وہ سود اور اصل قرض کا مجموعہ نئے سرمائے کی شکل میں اسے بطور قرض دیدے اور اس کا سود لے۔ہمارے دور میں بھی اس طرح کی ظالمانہ سودخوری کثرت سے رائج ہے۔[۶]

3۔آخر میں قرآن تقویٰ کی دعوت دیتا ہے اور فرماتا ہے

''وَا تَّقُوْا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْ ن''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سودی نظام خلاف تقویٰ ہے اور جو لوگ خدا سے نہیں ڈرتے وہی سود کھاتے ہیں۔ اور پھر سودخوروں کو دوزخ کی آگ سے ڈرایا جاتا ہے۔

تیسری آیت:

''اَلَّـذِیْـنَ یَاْ کُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْ مُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْـمَـسِّ ط ذٰلِکَ بِـاَ نَّھُمْ قَا لُوْ آ اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّ بٰوا وَ اَ حَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّ بٰـوا ط فَـمَـنْ جَـآ ءَہٗ مَوْ عِظَۃٌ مِّنْ رَّ بِّہٖ فَا نْتَھٰی فَلَہٗ مَا سَلَفَ ط وَ اَمْرُہٗٓ اِلَی اللّٰہِ ط وَمَنْ عَادَ فَاُ و لٰئِکَ اَصْحٰبُ النَّا رِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ .ے

''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ تو بس اُس شخص کی طرح کھڑے ہوتے ہیں جسے شیطان نے چھو کر باوَلا کر دیا ہو اور وہ اپنے اعتدال کو برقرار نہ رکھ سکتا ہو (کبھی زمین پر گر پڑتا ہو اور کبھی کھڑا ہو جاتا ہو) یہ سب اِس لئے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ بیع بھی سود کی طرح ہے (اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں جب کہ اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے کیوں کہ دونوں میں بہت فرق ہے) اور اگر کسی تک خدا تعالیٰ کی طرف سے نصیحت پہنچ جائے اور وہ (سودخوری سے) بچ جاتے تو وہ سود جو (اس کی حرمت کے حکم کے نازل ہونے سے) پہلے اسے مل چکا ہے وہ اس کا مال ہے (اور اس حکم میں گذشتہ مال شامل نہ ہوگا) اور اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہو جائے گا (اور وہ اس گذشتہ معاملے کو بخش دے گا) لیکن جو لوگ لَوٹ جائیں (اور اس گناہ کا نئے سرے سے ارتکاب کریں) وہ جہنم میں ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔

نکات:

1۔ ''خبط'' کا لغوی معنی راہ چلتے وقت بدن کو اعتدال پر نہ رکھ سکنا ہے۔ لہذا اس آیت کے مطابق سودخور آسیب زدہ اور دیوانے شخص کی مانند ہوتا ہے جو چلتے وقت اپنا اعتدال برقرار نہیں رکھ سکتا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ سودخوری ایک قسم کی دیوانگی ہے چونکہ سودخور اجتماعی حوالے سے مخبوط الحواس شخص

ہے جسے معاشرے کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں اور وہ اپنے آپ میں ہی مست ہے اور اسے اپنی ہی فکر ہے۔

2۔ بعض مفسرین کے نزدیک سودخور کی اس حالت سے مراد اُس کا حشر ونشر کے وقت کھڑا ہونا اور میدان قیامت میں آنا بھی ہوسکتا ہے یعنی سودخور میدان حشر میں جب اُٹھایا جائے گا تو دیوانوں اور آسیب زدہ انسانوں کی طرح محشور ہوگا۔ ۸

اکثر مفسرین نے دوسرے احتمال کو قبول کیا ہے لیکن عصر حاضر کے بعض نئے مفسرین نے پہلے احتمال کو ترجیح دی ہے لیکن انسان کے اعمال چونکہ اس جہان میں مجسم ہو کر پیش ہوں گے لہذا ممکن ہے آیت کا اشارہ دونوں معانی کی طرف ہو یعنی ؛ دنیا میں جن لوگوں کا قیام غیر عاقلانہ اور دیوانہ وار سرمایہ اندوزی ہے دوسرے جہان میں بھی وہ دیوانوں کی طرح محشور ہوں گے۔

3۔ روایات میں دونوں معانی کی طرف اشارہ ہوا ہے چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ ''میں معراج پر گیا تو وہاں ایک گروہ کو اس حال میں دیکھا کہ ان کے پیٹ اتنے بڑے ہیں کہ وہ اُٹھ کر چلنے کی کوشش کرتے لیکن ناکام ہو جاتے ہیں اور اُٹھنے کی کوشش میں بار بار زمین پر گر پڑتے ہیں۔ میں نے جبرائیل سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں اور ان کا جرم کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا: یہ سودخور ہیں۔ ۹

اسی طرح، امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اٰکل الرّبٰو الایخرج من الدّنیا حتیٰ یتخبّطه الشّیطٰن۔'' ۱۰

سودخور کو جب تک شیطان پاگل نہ کردے وہ اس دنیا سے نہیں جاتا۔

4۔ آیت سودخوروں کی یہ منطق اور توجیہہ نقل کرتی ہے کہ ''سود اور تجارت میں کوئی فرق نہیں''۔

یعنی ؛ دونوں ایک ہی طرح کا لین دین ہیں جنہیں طرفین اپنے اختیار و ارادے سے انجام دیتے ہیں۔

قرآن سودخوروں کی اس توجیہہ کا جواب دیتے ہوئے فرماتا ہے:

''وَ اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا''

خدا نے بیع اور تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

یعنی ان دونوں کے درمیاں فرق واضح ہے۔

اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ عام خرید وفروخت میں طرفین نفع ونقصان میں برابر کے شریک ہوتے ہیں جبکہ سودی معاملہ میں سودخور ہمیشہ نفع ہی اُٹھاتا ہے اور نقصان کا بوجھ ہمیشہ دوسرے طرف کے کاندھوں پر ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ سودخور دن بدن مالدار ہوتا جاتا ہے اور کمزور افراد مزید کمزور ہو جاتے ہیں اور معاشرہ کا معاشی توازن بگڑ جاتا ہے۔اسی طرح عام تجارت اور خرید وفروخت طرفین تولید مال وثروت کے لئے کوشاں ہوتے ہیں جبکہ سودخور معاشرے کی تولید کے سلسلے میں کوئی کردار نہیں ادا کرتا۔اس کے علاوہ سودخوری کی وجہ سے سرمایہ غلط راستے پر استعمال ہونے لگتا ہے اور اقتصاد کے ستون متزلزل ہونے لگتے ہیں جبکہ تجارت کے ذریعے سرمایہ خون کی طرح معاشرے کی رگوں میں دوڑنے لگتا ہے۔سود کے حرام ہونے اور تجارت کے حلال ہونے کی ایک اور اہم وجہ یہ ہے کہ سودخوری طبقاتی کشمکش کا ذریعہ بنتی ہے جبکہ تجارت اس طرح نہیں بلکہ اس سے معاشرے کے تمام طبقات اپنی اپنی محنت کے مطابق مال حاصل کرتے ہیں۔

اس آیت کا ایک اور اہم نکتہ یہ ہے کہ جن لوگوں تک سود کی حرمت کے بارے میں قرآن کا یہ پیغام اور خدائی نصیحت پہنچ جائے اُن کو پھر یہ ناپسندیدہ کام چھوڑ دینا چاہیے۔جو سود وہ اس حکم کے نزول سے پہلے لے چکے ہیں وہ اُنہی کی مالکیت ہے یعنی یہ قانون ہر دوسرے قانون کی طرح ماقبل پر لاگو نہیں ہوتا۔چونکہ عقلاً جب قانون بنتا ہے اسی وقت نافذ بھی ہوتا ہے۔لیکن جو لوگ سود کی حرمت کا قانون جان لینے کے بعد بھی سودخوری کا سلسلہ جاری رکھیں گے تو اُنہیں خدا کے دردناک عذاب کا منتظر رہنا چاہیے۔

اس سے مراد وہ ہٹ دھرم اور لااُبالی لوگ ہیں جو سود کی حرمت کا حکم جاننے کے باوجود کمال بے ایمانی کے ساتھ سود کھاتے ہیں اور کمزوروں کی مجبوریوں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ایسے لوگوں کے

لئے آیت کے اس حصے میں دائمی عذاب کی وعید ہے۔

چوتھی آیت:

''یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَ یُرْبِی الصَّدَقٰتِ ط وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْمٍ''[11]

''اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقہ کو بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے اور گناہ گار سے محبت نہیں کرتا''۔

نکات:

1۔ یہ سود کے معنوی اور روحانی نقصان اور صدقے کی برکتوں کا بیان ہے۔ سود میں بظاہر بڑھوتری نظر آتی ہے لیکن معنوی حساب سے یا مال (انجام) کے اعتبار سے سودی رقم ہلاکت و بربادی ہی کا باعث بنتی ہے۔

اس حقیقت کا اعتراف اب یورپی ماہرین معیشت بھی کرتے ہیں۔

2۔ ''محق'' کا معنیٰ ہے ''نقصان'' اور ''تدریجاً نابود ہونا'' ہے اور ''ربا'' سے مراد تدریجی رشد و نمو ہے۔ سود خور چونکہ اپنی دولت کے ذریعے محنت کش طبقے کی پسینے کی کمائی سمیٹتا ہے اور بعض اوقات اس طرح سے اُن کے وجود کو ہی ختم کر دیتا ہے اور سود پر رقم حاصل کرنے والے لوگ سسک سسک کر ختم ہو جاتے ہیں اور اس طرح اُن کے دل میں سود خور کی دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور آہستہ آہستہ وہ سود خوروں کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح سود خور کی جان اور مال خطرے میں پڑ جاتے ہیں۔ اس لئے قرآن اسی حقیقت کی طرف متوجہ کراتے ہوئے فرماتا ہے: ''اللہ سودی سرمائے کو نابودی کی طرف لے جاتا ہے اور سود خور معاشرے اور افراد تدریجاً غضب الٰہی کا نشانہ بننے لگتے ہیں اور غریبوں کا غم و غصہ اُنکے لئے موت بن جاتا ہے۔

3۔ صدقہ اور انفاق کا رائج ہونا اقتصادی نظام کی رونق کا سبب ہے:

''وَ یُرْبِی الصَّدَقٰتِ''

(یربی ''اربا'' سے ہے جس کا معنیٰ ہے زیادہ کرنا اور رشد و ترقی دینا۔[12])

4۔نعمتوں کا شکر نہ کرنے والے اور گناہگار افراد محبت خدا سے محروم ہیں:

''وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْم''

لہذا سودخور لوگ ناشکرے، گناہگار اور خدا کی محبت سے محروم ہیں:

''یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا..... وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْم''

(سودخوری کو بیان کرنے کے بعد ''کفار'' (بہت ہی ناشکرا) اور ''اثیم'' (گناہوں میں غرق) کا تذکرہ اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے کہ سودخور لوگ بھی انہیں ناشکرے اور گناہوں میں غرق افراد میں سے ہیں)۔[۱۳]

5۔جو لوگ صدقہ دیتے ہیں اور انفاق کرتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کے شکرگزار اور اسکے حکم کے اطاعت گزار ہیں۔

''یَمْحَقُ اللّٰہُ.... کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْم''

(صدقہ اور سود کے موازنہ سے پتا چلتا ہے کہ یہ دونوں اثرات کے لحاظ سے بھی متضاد ہیں، پس چونکہ سودخور ناشکرا اور گناہگار ہے اس لئے انفاق کرنے والا شکرگزار اور فرمانبردار ہے۔[۱۴]

پانچویں آیت:

''اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ''

''جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے اچھے اعمال انجام دیئے اور نماز قائم کی اور زکوۃ ادا کی ان کی اجرت وثواب ان کے پروردگار کے پاس ہے اُنکے لئے کوئی خوف ہے نہ وہ کسی حزن وملال میں مبتلا ہوں گے۔''[۱۵]

نکات:

1۔اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سودخوری سے توبہ کرنے والے اور مقروض افراد کے مال اُن کو لوٹانے والے ہی نیک اور ایماندار لوگ ہیں۔ان لوگوں نے ایک زمانے میں سودخوری کی ہے

لیکن اب اس کام سے تائب ہو چکے ہیں لہذا اُن کے اس پچھلے گناہ کی تلافی نماز اور زکات سے ہوتی ہے اور سود خوروں کے لئے جو عذاب مقرر ہو چکا ہے وہ ان لوگوں کے شامل حال نہیں ہوگا چونکہ یہ سود خوری سے پشیمان ہو کر توبہ کر چکے ہیں اور اب نماز اور زکات کے ذریعے ان کے گذشتہ اعمال کی تلافی ہوگئی ہے۔فطری امر ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے اضطراب اور پریشانی کے وہ اسباب پیدا نہیں ہوتے جو خطرات مفت خور سرمایہ داروں کو لاحق ہوتے ہیں اور اُن پر جو لعن وطعن اور نفرین برستی ہے وہ سود خوری سے تائب لوگوں پر نہیں برستی۔خلاصہ یہ کہ سود خوری سے توبہ کرنے والے مکمل اطمینان کے ساتھ قیامت کے دن محشر میں داخل ہوں گے۔

2۔جو مومنین عمل صالح انجام دیتے ہیں،نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، وہ خدا تعالیٰ کے خاص اجر سے بہرہ مند ہوں گے:

''اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ لَھُمۡ اَجۡرُھُمۡ عِنۡدَ رَبِّھِمۡ''(کلمہ ''عندربھم'' خدا کے خاص اجر کی طرف اشارہ ہے)۔[16]

3۔نماز قائم کرنا اور زکات دینا عمل صالح کے بہترین نمونوں میں سے ہیں:

''وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ ''[17]

4۔ایمان اور عمل صالح بالخصوص نماز اور زکات کا نتیجہ باطنی سکون اور اطمینان ہے:

''اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ..... وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡھِمۡ وَلَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ''[18]

5۔ایمان اور عمل صالح بالخصوص نماز اور زکات معاشرہ سے سود کا قلع قمع کرنے کا ذریعہ ہیں

''یَمۡحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا.....اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ''

(سابقہ آیات (کہ جو سود کے بارے میں تھیں) کے بعد اس آیت کا ذکر کرنا معاشرہ سے سود کا قلع قمع کرنے کے لئے رہنمائی کے طور پر ہے)۔[19]

چھٹی آیت:

''یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوۡا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ''

اے ایمان والواللہ تعالیٰ سے ڈرواور جوسود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دواگر تم سچ مچ ایمان والے ہو‘‘۔[۲۰]

نکات:

1۔ یہ آیت اپنے مقام اور حیثیت کے اعتبار سے آیت نمبر ۲۷۵ کے بعد ہے؛ جس میں فرمایا گیا ہے:

’’فَمَنْ جَآ ءَهٗ مَوْ عِظَةٌ مِّنْ رَّ بِّهٖ فَا نْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ط وَ اَمْرُهٗ اِلَى اللّٰهِ‘‘

جب تمہیں پتا چل جائے کہ سود حرام ہے تو پھر تمہیں یہ اقتصادی طریقہ چھوڑ دینا چاہیے۔

اس کے بعد یہ آیت بھی یہی کہتی ہے:

’’ذَرُوْ مَا بَقِیَ مِنَ الرِّ بٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّو مِنِیْن‘‘

اے مومنین! بقیہ سود کو چھوڑ دواور اسکو جاری نہ رکھواور باقی سودی لین دین سے توبہ کرلو۔

جب یہ آیات نازل ہوئی ہیں اس زمانے میں جو لوگ سود کھانے کے عادی تھے اور اُنہوں نے سودی کاروبار کیا ہے اور جس قدر سود کھا چکے ہیں وہ تو ان کے لئے حلال ہے (چونکہ سود کی حرمت کے حکم سے آگاہ نہیں تھے) لیکن اس کے بعد باقی ماندہ سود اُنہیں نہیں لینا چاہیے اگر وہ ایماندار ہیں اور قرآن وشریعت پر ایمان رکھتے ہیں۔

لہٰذا آج بھی جو لوگ جہالت اور نادانی کی بنا پر سودی کاروبار کرتے ہیں اور سود کی حرمت پر ایمان نہیں رکھتے لیکن خدا کی عنایت سے جب بھی اُنہیں سود کی حرمت کے بارے میں کوئی شرعی وعقلی دلیل قانع کردیتی ہے اور وہ سودخوری کے دنیوی واُخروی مضرات سے آگاہ ہوجاتے ہیں تو اُنہیں ہر قسم کی حرص ولالچ کو چھوڑ کر سودی کاروبار سے ہاتھ کھینچ لینا چاہیے اور یہ اُن کے ایمان کا امتحان ہے۔یعنی نادانی اور جہالت کی بنا پر سود کھانے کے بعد پشیمان ہونے والوں کو خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے بشرطیکہ وہ اس قبیح فعل کو جاری نہ رکھیں اور سودخوری سے توبہ کرلیں تو خداوند غفور ورحیم ہے۔[۲۱]

2۔اس آیت سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ سودخوری سے اجتناب اور سود والے، منافع کو چھوڑ دینا تقویٰ کے

مصادیق میں سے ہے:

''اتَّقُوااللّٰہَ وَذَرُوْ مَا بَقِیَ مِنَ الرِّ بٰوا ''۲۲

ساتویں آیت:

''فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْ ا فَاْ ذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُ وْسُ اَمْوَالِکُمْ

لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ ''.

''اوراگرایسانہیں کرتے تواللہ تعالیٰ سےاوراس کےرسول سے لڑنے کے لئے تیارہوجاؤ ہاں اگر توبہ کرلو تو(سود کے بغیر)تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے،نہ تم ظلم کرواورنہ تم پرظلم کیا جائے''۔۲۳

نکات:

1۔سودخوروں کےخلاف خدااوررسولؐ کی ایک بڑی جنگ کااعلان:

''فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْ ا فَاْ ذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ''

اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ سودخورخواہ کسی بھی زمانے میں ہووہ خدااوررسولؐ کے ساتھ حالت جنگ میں ہے آیت میں کلمہ''حرب'' کانکرہ ہونا ایک بڑی جنگ پردلالت کرتا ہے۔۲۴

2۔یہ ایسی سخت سزا ہے جواورکسی معصیت کےارتکاب پرنہیں دی گئی۔اس لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے کہا کہ اسلامی مملکت میں جوشخص سودچھوڑنے پرتیارنہ ہو،تو خلیفہءوقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سے توبہ کرائے اور بازنہ آنے کی صورت میں اس کی گردن اڑا دے۔

3۔ تم اگراصل سرمائے سے زیادہ وصول کروگےتو یہ تمہاری طرف سے ظلم ہوگااوراگر تمہیں اصل سرمایہ بھی نہ دیاجائےتو یہ تم پرظلم ہوگا۔

4۔اس آیت میں قرآن نے اپنالب ولہجہ بدل دیا ہے۔پہلی آیات میں نصیحتوں سے کام لیا گیا تھالیکن اس آیت میں سودخوروں پرسخت حملہ کیا گیا ہےاورانہیں خبردارکرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ

اگر اُنہوں نے اپنا یہ کام جاری رکھا اور حق کے سامنے سر تسلیم خم نہ کیا اور اسی طرح کمزور لوگوں کا خون چوستے رہے تو پیغمبر مجبور ہیں کہ عسکری طاقت کے ذریعے انہیں اس گناہ سے روکیں اور حق کے سامنے جھکنے پر مجبور کریں۔ اور یہ سود خوروں کے خلاف خدا اور رسولؐ کی طرف سے کھلا اعلان جنگ ہے۔

اسی آیت کی وجہ سے امام صادق علیہ السلام نے ایک شخص کے بارے میں کہ جو کھلے عام بڑی جرات کے ساتھ سود کھاتا تھا، اور اس نے اس سود کا نام ''لبا'' (دودھ) رکھا ہوا تھا، فرمایا: ''اگر مجھے اس پر دسترس حاصل ہو جائے تو اسے قتل کر دوں''۔۲۵

5۔ اگر سود خور اپنے ناپسندیدہ عمل (سود خوری) سے توبہ نہ کریں تو وہ اصل مال کے بھی مالک نہیں ہیں:

''وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُم ''(''وَ اِنْ تُبْتُمْ .....'')

کے مفہوم سے یہ نکتہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگر توبہ نہ کریں تو انہیں محارب شمار کر کے انکے خلاف اعلان جنگ اور مسلح کاروائی کی جائے گی اور اس صورت میں ان کا اصل سرمایہ بھی ضبط کر لیا جائے گا۔۲۶

6۔ جو سود خور توبہ کر لیں، ان کا سرمایہ انہیں نہ لوٹانا ان پر ظلم ہے:

''فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْن ''۔۲۷

7۔ اسلام کے اقتصادی نظام کی اساس و بنیاد عدل و عدالت پر قائم ہے:

''فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْن''

(جملہ ''لا تظلمون ۔۔۔'' سرمایہ کی خصوصی ملکیت اور سود والے منافع سے ملکیت کی نفی کے لئے علت کے طور پر ہے اور چونکہ علت ہمیشہ قاعدہ کلی کو بیان کرتی ہے۔ پس ظلم نہ کرنا اور مظلوم واقع نہ ہونا (مطلق عدل و انصاف) اسلام میں قابل قبول اقتصادی نظام کی بنیاد و اساس ہے۔۲۸

آیات ربا کا خلاصہ

ربا اور سود سے متعلق ان آیات کے مطالعہ سے جو اہم ترین اعتقادی، اجتماعی، معاشی درس حاصل ہوتے ہیں وہ یہ ہیں:

1۔اجتماعی درس

اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلق کیا ہے تو اسے جہاں کرامت دی ہے وہاں عقل و ادراک اور درایت بھی عطا کی ہے ۔اس قدر عظیم نعمتیں رکھنے کے باوجود انسان اگر سود خوری کرے اور کمزور اور معاشی طور پر بدحال انسانوں کا خون چوسے تو اس کا مجنون اور جن زدہ ہونا اور دنیا و آخرت میں اس کی شخصیت میں عدم تعادل پیدا ہونا ایک طبیعی امر ہے ۔سود خور انسان ہمیشہ معاشرے میں منفور اور ناپسندیدہ ہوتے ہیں اور لوگ مجبوری کی بنا پر اُن سے تعلق رکھنے کے باوجود اُن سے نفرت کرتے ہیں اور ہر مناسب موقع پر اُن سے انتقام لینے کی کوشش کرتے ہیں۔

''اَلَّذِیْنَ یَاْ کُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْ مُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَس''

2۔اعتقادی درس

سود خور انسان اپنے دل میں یا زبان سے کہتا ہے، سود تو (بیع) خرید و فروخت ہی کی طرح ہے لیکن اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ سود اور بیع میں فرق قرار دیتا ہے لہذا سود اور بیع میں فرق کا معتقد نہ ہونا گناہ اور کفر ہے اور ایسا اعتقاد رکھنے والے انسان کا ٹھکانہ جہنم ہے:

'' فَاُ و لٰئِکَ اَصْحٰبُ النَّا رِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ''

3۔سیاسی درس

اللہ تعالیٰ نے سود خوروں کے ساتھ جنگ اور مقابلے کا اعلان کیا ہے ۔چونکہ اُنہوں نے خود اللہ اور اس کے رسول کو سود خوری کے ذریعے جنگ کی دعوت دی ہے ۔اور جو لوگ خداوند متعال ہے کے ساتھ جنگ کرتے ہیں شکست اور ناکامی اُن کا مقدر ہوتی ہے ۔اسی لئے اللہ تعالیٰ کے نظام کی علمبردار اسلامی حکومت کا بھی فریضہ ہے کہ وہ ایسے لوگوں کے ساتھ اعلان جنگ کرے جو سود خوری کے ذریعے اسلامی معاشرے کا توازن خراب کرتے ہیں اور الٰہی نظام کے مقابلے میں اپنا شیطانی نظام جاری رکھتے ہیں۔

4۔معاشی درس

جس معاشرے میں سودی نظام رائج ہو جاتا ہے اُس میں عدالت ختم ہو جاتی ہے اور انسانی قدریں پامال ہو جاتی ہیں۔چونکہ سودخوری عدل وانصاف کے خلاف ہے۔اور انسانی معیشت ہمیشہ عدل وانصاف پر ہی قائم رہتی ہے جونہی عدل وانصاف ختم ہوتا ہے معاشی بدحالی معاشروں کوگھیر لیتی ہے اورلوگ فقروفاقے کا شکار ہو جاتے ہیں اور معاشرے کی ثروت ایک خاص طبقے میں متمرکز ہو کر رہ جاتی ہے۔سود دینے والا دن بدن فقیر اور سودخور دن بدن ثروتمند ہوتا جاتا ہے جس سے معاشرے میں عدالت ختم ہو جاتی ہے۔

5۔معنوی درس

خداوندمتعال نے اپنے وسیع علم اور حکمت بالغہ کے ذریعے کچھ چیزوں کوحلال قرار دیا ہے اور کچھ کوحرام۔لہذا خدا کی حلال کی ہوئی چیزوں پرعمل اور اُس کی حرام شدہ اشیاء سے اجتناب ایمان کی علامت ہے اور انسان کی روح پر مثبت اثر چھوڑتا ہے۔خدا نے بیع (خریدوفرخت) کوحلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے''**احل الله البیع و حرّم الربٰوا**''

جولوگ سود کھاتے ہیں وہ اپنا ایمان ہاتھ سے کھو دیتے ہیں جبکہ تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس قسم کے گناہوں سے پرہیز کرے اور اپنی معنوی زندگی کی حفاظت کرے۔۲۹

روایات میں سود کی مذمت

قرآن مجید کی پیروی میں احادیث اور روایات میں بھی سود کی مذمت کی گئی ہے اور سودخوری سے ممانعت کرتے ہوئے معاشرے کواس لعنت سے پاک رکھنے کی تاکید ملتی ہے۔سود کی مذمت میں چندروایات ملاحظہ کیجئے:

1۔رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''**اذا اراداللّٰہ بقریة هلاكاً ظهر فيهم الربا**''

یعنی؛جب خدا کسی بستی پرعذاب نازل فرمانا چاہتا ہے تو ان میں سودخوری زیادہ ہوجایا کرتی ہے۔۳۰

2۔''روی عن علی (ع) انه قال لعن رسول الله ﷺ
فی الربا خمسة آکله وموکله وشاهدیه وکاتبه''

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ:

جناب رسالتمآب ﷺ نے سود کے معاملہ میں پانچ قسم کے لوگوں پر لعنت بھیجی ہے۔

1۔سود کھانے والا 2۔اس کا کھلانے والا 3، 4۔سود لینے اور دینے کے دو گواہ
5۔سود کا تحریر نامہ لکھنے والا۔۳۱

3۔روي جميل بن دراج عن أبي عبدالله قال درهم ربا أعظم عندالله من سبعين زنية كلها بذات محرم في بيت اللهالحرام۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

کہ سود کے گناہ کے ستر درجے ہیں کہ کم از کم درجے کا گناہ ایسا ہے جیسا کہ اپنی ماں سے کعبہ میں زنا کیا جائے۔۳۲

4۔جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے:

کہ میری اُمت پر ایک ایسا دور آئے گا کہ سود کھانے سے کوئی نہ بچے گا اور اگر کوئی بچے گا تو اس پر بھی سود کی کچھ نہ کچھ گرد تو پڑ ہی جائے گی۔۳۳

5۔امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

'' اِعلَم یر حَمکَ اللّٰه اِنَّ الرِّبا حَرام سُحت من الکبائر وممّا قد وَعداللّٰهِ علیه النار فنعوذُ منها وهو محرم علی لسان کلِّ نبِّی وفی کل کتاب''

جان لو کہ خدا نے سود کو حرام کہا ہے اور اسے اُن گناہان کبیرہ میں سے قرار دیا ہے کہ جن پر عذاب کا وعدہ دیا ہے۔اور تمام انبیائے کرام کی زبان سے اور تمام آسمانی کتابوں میں اسے حرام شمار کیا ہے۔۳۴

6۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ

''مَن اَکَلَ الرِّبا ملا ءَ اللّٰه بَطنه مِن نارِ جَهَنَّم بِقَدرِما اَکَلَ واِن اِکتسب مِنه مالاً لم

یُقبَل اللّٰـهُ منه شیئاً مِن عَمَلِه وَلَم یَزِل فِی لعنةِاللّٰه و الملائِکة ما کانَ عنده منهُ قِراطُ واحد''

جوشخص سود کھاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے پیٹ کو جہنم کی آگ سے پُر کر دیتا ہے اور اگر وہ سود سے کمائے ہوئے مال کو کھائے یا خیرات کرے یا کوئی عمل انجام دے تو وہ قبول نہیں ہوگا اور جب تک اس کے پاس سودی مال کا ایک پیسہ بھی موجود ہے اس پر ہمیشہ اللہ اور اس کے فرشتوں کی لعنت ہوتی رہے گی۔۳۵

7۔امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اَخبَثُ المکاسبَ کَسب ُالرِّبا ''

خبیث ترین کاروبار، سودی کاروبار ہے۔۳۶

8۔اسی طرح نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے:

''شَرُّ المکاسِبَ الرِّبا''

بدترین کاروبار سودی کاروبار ہے۔۳۷

9۔امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ:

''اِذٰا اَرٰادَاللّٰه بِقَومٍ هَلاٰکاً ظَهَرَ فِیهِم الرِّبا''

جب بھی خدا کسی قوم کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو اس میں سود کو رائج کر دیتا ہے۔۳۸

10۔ایک اور حدیث میں پیغمبر اسلامؐ سے منقول ہے کہ'

'اِذاظَهَرَ الزِّنیٰ وَالرِّبا فی قِریَة اُذِنَ فی هَلاٰکِها''

جب بھی کسی معاشرے میں زنا اور سود کی عادت عام ہو جاتی ہے وہ معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے۔۳۹

اختصار کے پیش نظر سود کی حرمت کے بارے میں احادیث و روایات معصومینؑ کے انہی چند نمونوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔شیعہ روایات کی طرح اہلسنت کی کتب حدیث میں بھی سود کی حرمت کے بارے میں بہت سی روایات نقل ہوئی ہیں جن کی بنا پر اہل سنت فقہاء اور ائمہ فقہ نے سود کی حرمت کے

بارے میں فتاویٰ صادر کئے ہیں ۔جس سے پتا چلتا ہے کہ سود کی حرمت کا مسئلہ تمام مسلمانوں کے نزدیک ایک متفق علیہ مسئلہ ہے۔

لیکن اس کے باوجود مسلمان معاشروں میں سودخوری اس قدر رائج ہوچکی ہے کہ گویا دین اسلام میں سودخوری کی کوئی قباحت ہی نہیں !!اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلمان ممالک کا اقتصادی نظام،مغرب کے لادین اقتصادی نظام سے اس طرح وابستہ ہو چکا ہے کہ جس سے چھٹکارا پانے کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی ہے اور اس طرح اسلامی ممالک ایک ایسی اجتماعی لعنت میں گرفتار ہو چکے ہیں کہ جس سے رہائی پانا بظاہر مشکل نظر آتا ہے لیکن اگر ایمانی قوت سے کام لیتے ہوئے مسلمان ماہرین اقتصاد،فقہائے کرام اور علمائے دین کوئی مشترکہ قدم اُٹھائیں اور اسلام کے اقتصادی نظام کو رائج کرنے کی کوشش کریں اور مسلمان حکمرانوں کو ایسا مضبوط اقتصادی لائحہ عمل دیں تا کہ وہ غیر اسلامی سودی معیشت کے بجائے اسلامی معیشت کو اپنانے میں پوری خود اعتمادی کے ساتھ سیاسی جرائت وشجاعت کا مظاہرہ کریں تو بہت جلد اُمت مسلمہ کو اس لعنت سے نجات مل سکتی ہے جیسا کہ بہت سے علمائے اسلام نے اس سلسلے میں قابل قدر کوششیں کی ہیں اور سود سے پاک اقتصادی نظام متعارف کرانے کے لئے اپنی قیمتی تحقیقات اور علمی آراء پیش کی ہیں۔

جن میں آیت اللہ سید باقر الصدر شہیدؒ کا کام قابل ذکر ہے اسی طرح بعض علمائے اہل سنت نے بھی اس سلسلے میں سعی بلیغ فرمائی ہے اور بلاسود بنکاری کے بارے میں اپنے نظریات پیش کیئے ہیں ۔لیکن اس کے باوجود اجرائی مسائل میں مسلمان معاشروں میں خصوصاً پاکستانی معاشرے میں سود خوری کا سلسلہ سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر جوں کا توں جاری ہے ۔اس کی سب سے بڑی وجہ اسلامی ممالک کے اقتصادی نظام کا دنیا کے لادین اقتصادی نظام کے ساتھ وابستہ ہونا ہے۔

جس سے نجات پانے کے لئے صرف مسلمان حکمرانوں کی کوششیں کافی نہیں ہیں بلکہ اس لعنت سے اُمت کو نجات دلانے کے لئے سب سے زیادہ علمائے دین اور فقہائے اسلام کو محنت ومشقت کرنی ہوگی چونکہ اسلامی اقتصاد کو نفاذ کے مراحل تک پہچانا اور اسے قانونی شکل دینا علمائے دین

کی ذمہ داری ہے۔تا کہ عام لوگوں سے لیکر حکمران طبقات تک روزمرہ کے مسائل میں سودی اور غیر سودی معاملات کے سلسلے میں موجودہ اقتصادی سسٹم میں ربوی اور سودی لین دین کی جزئیات کو سمجھ سکیں ۔

اس وقت دین دار طبقے کی اکثریت سود کی لعنت سے اپنا دامن بچانا چاہتی ہے لیکن اسلامی اقتصادیات کی جزئیات اور سود کے تطبیقی مسائل سے آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے سودی معاملات سے چھٹکارا نہیں پاسکتی اور نہ چاہتے ہوئے بھی سودخوری میں مبتلا ہوجاتی ہے۔

اس مشکل کا حل یہی ہے کہ چھوٹی چھوٹی کتابوں اور مقالات کی صورت میں عوام تک سود کے بارے میں قرآن وسنت کی تعلیمات پہنچائی جائیں اور اُنہیں سود کی حرمت کے فلسفے سے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ روزمرہ زندگی میں اسلامی اقتصاد سے بہرہ مند ہونے کے طریقوں سے آگاہ کیا جائے۔اس کے علاوہ قرض الحسنہ کی اہمیت سے آگاہ کرتے ہوئے لوگوں میں قرض الحسنہ اور مضاربہ کا رجحان پیدا کر کے غیر اسلامی بینکوں کے سودی جال سے نجات دلائی جائے۔اس سلسلے میں مسلمان سرمایہ دار طبقہ بہت اہم کردار ادا کرسکتا ہے اس سے وہ نہ صرف دنیوی فوائد حاصل کرسکتا بلکہ قرض الحسنہ اور مضاربہ کا عملی نظام قائم کر کے مسلمانوں کو سود کی لعنت سے نجات دلا کر اُخروی ثواب سے بھی بہرہ مند ہوسکتا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ ابن منظور،لسان العرب، ج۱۴،ص۳۰۴

۲۔ راغب اصفہانی،مفردات،ص۱۸۷

۳۔ مودودی ''سود''،ص۱۱۴۔ڈاکٹر محمد حسینی بہشتی،ربا در اسلام،ص۱۷۔

۴۔ سورہ روم،آیت۳۹

۵۔ سورۂ آل عمران،آیت۱۳۰

۶۔ مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، ج۳،ص۹۷ اُردو

۷۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۷۵

۸۔ علی اکبر قرشی، تفسیر احسن الحدیث، ج۱،ص۵۲۲

۹۔ شیخ عبدعلی حویزی شیرازی، تفسیر نور الثقلین، ج۱،ص۲۹۱۔

۱۰۔ شیخ عبدعلی حویزی شیرازی، تفسیر نور الثقلین، ج۱،ص۲۹۱۔

۱۱۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۷۶۔

۱۲۔ ہاشمی رفسنجانی، تفسیر راہنما، ج۲،ص۳۲۵، اُردو ایڈیشن۔

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۷۷۔

۱۶۔ ہاشمی رفسنجانی، تفسیر راہنما، ج۲،ص۳۲۷، اُردو ایڈیشن۔

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ ایضاً

۲۰۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۷۸۔

۲۱۔ محمد حسین ابراہیمی، ربا و قرض در اسلام،ص۱۱۱،۱۱۲۔

۲۲۔ ہاشمی رفسنجانی، تفسیر راہنما، ج۲،ص۳۳۲، اُردو ایڈیشن۔

۲۳۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۷۹۔

۲۴۔ ہاشمی رفسنجانی، تفسیر رہنما، ج۲،ص۲۷۹، اُردو ایڈیشن۔

۲۵۔ مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، ج۲،ص۳۳۳۔

۲۶۔ ہاشمی رفسنجانی، تفسیر رہنما، ج۲،ص۳۴۴۔

۲۷۔ ایضاً ص۳۳۴۔

۲۸۔ ایضاً،ص۳۳۴۔

۲۹۔ محمد حسین ابراہیمی، ربا وقرض در اسلام،ص۱۱۷۔۱۱۹۔

۳۰۔ طبرسی،تفسیر مجمع البیان، ج۲،ص۶۷۱۔

۳۱۔ طبرسی،تفسیر مجمع البیان، ج۲،ص۶۷۱۔

۳۲۔ سید ہاشم بحرانی، البرہان بحوالہ تفسیر انوار النجف ج۳،ص۱۰۲۔

۳۳۔ طبرسی، مجمع البیان بحوالہ تفسیر انوار النجف ج۳،ص۱۰۲۔

۳۴۔ نوری طبرسی، مستدرک الوسائل، ج۱۳،ص۳۳۱۔

۳۵۔ حر عاملی، وسائل الشیعہ، ج۱۲،ص۴۲۷۔

۳۶۔ حر عاملی، وسائل الشیعہ، ج۱۲،ص۴۲۳۔

۳۷۔ ایضاً

۳۸۔ حر عاملی، وسائل الشیعہ، ج۱۲،ص۴۲۷۔

۳۹۔ نوری طبرسی، مستدرک الوسائل، ج۱۳،ص۳۳۲۔

☆☆☆☆☆☆

مجمع البیان فی تفسیرالقرآن

سید رمیز الحسن موسوی

مؤلف: امین الدین ابوعلی الفضل بن الحسن الطبرسی[متوفی ۵۴۸ ھ]

''تفسیر مجمع البیان'' بلاشک وشبہ شیعہ امامیہ کی شاہکار تالیفات میں سے ایک ہے یہ دس جلدوں پر مشتمل ہے اس کی پہلی جلد ۵۳۰ ھ میں لکھی گئی اوراس کتاب کی تالیف کا کام ایک قول کے مطابق ۵۳۶ ھ میں ختم ہوالہذ ااس تفسیر کی تالیف پر تقریباً پانچ سال صرف ہوئے تفسیر مجمع البیان بقول خود شیخ طبرسیؒ تفسیر کبیر ابوعلی کے نام سے بھی یاد کی جاتی ہے یہ تفسیر مختلف مطالب پر مشتمل ہے مثلاً صرف ونحو، لغت واشتقاق، ادب وشان نزول وقرأت قرآن، بلاغت وکلام، فقہ واصول اور حدیث وغیرہ۔ یہ کتاب اپنے مطالب وموضوعات کی ترتیب اور نظم کے لحاظ سے دوسری سب تفاسیر پر فوقیت رکھتی ہے۔[۱]

علمائے رجال اور محققین تفسیر نے جامعیت، استحکام مطالب، دقیق ترتیب وتنظیم، واضح وروشن تفسیر وتبیین اور قرآنی آیات کے بارے میں مختلف مفسرین کی آراء ونظریات پر نقد وانتقاد میں عدل وانصاف کے لحاظ سے ''مجمع البیان'' کو بہت زیادہ سراہا ہے اوراس تفسیر کی مدح وتوصیف کی ہے چنانچہ:

عظیم فقیہ شہید اوّل، شیخ علی بن حسین بن محمد خاذن کے اجازے میں لکھتے ہیں: ''میں امین الدین طبرسی کی کتاب ''مجمع البیان'' کو روایت کرتا ہوں وہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی مانند کوئی دوسری کتاب نہیں لکھی گئی۔[۲]

شہید قاضی نوراللہ شوشتریؒ ''مجالس المؤمنین'' میں لکھتے ہیں:

''تفسیر کبیر او کہ مسمیٰ بہ مجمع البیان است درجامعیت اودرفنون، فضل وکمال بیان کافی ودلیل وافی است۔[۳]

یعنی؛ اُن کی تفسیر کبیر کہ جو مجمع البیان کے نام سے موسوم ہے، اُن کی علوم وفنون میں

جامعیت اور فضل وکمال کے بیان کرنے کے لئے کافی اور دلیل وافی ہے۔آیت اللہ سید حسن صدر ''تأسیس الشیعہ'' میں لکھتے ہیں:

تفسیر مجمع البیان کہ جو اسم با مسمیٰ ہے چونکہ جامع معانی ہے دس جلدوں میں ایسی تفسیر ہے کہ جس کی مثال اسلام میں کوئی دوسری تفسیر نہیں لکھی گئی اس میں تمام فنون قرآن کو مختصر بیان میں اور بہترین انداز میں پیش کیا گیا ہے حق بات تو یہ ہے کہ مجمع البیان کتب تفسیر کی امام وراہنما ہے۔[۴]

اہل سنت کے عظیم مفتی وفقیہ مرحوم شیخ عبدالمجید سلیم، سابق رئیس جامع الازہر ''جمعیت دارالتقریب'' بین المذاہب الاسلامیہ کے نام ایک خط میں تفسیر مجمع البیان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اما بعد.....کتاب ''مجمع البیان لعلوم القرآن'' کہ جو چھٹی ہجری کے علماء میں سے ایک، الشیخ علامہ ثقۃ السلام ابوعلی الفضل بن الحسن الطبرسی کی تالیف ہے۔ یہ جلیل الشان کتاب فراواں علم، حسن ترتیب اور کثیر فوائد پر مشتمل ہے۔ میرا یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ: یہ تفسیر تمام ان کتب تفسیر میں سرفہرست ہے کہ جو علم تفسیر اور تفسیری ابحاث میں مآخذ شمار ہوتی ہیں۔ میں نے اس کتاب کا بہت زیادہ مطالعہ کیا ہے اور بہت دفعہ اس کی جانب رجوع کیا ہے، میں نے اسے مشکلات کے حل کرنے اور مبہات کے کشف کرنے میں عمدہ کتاب پایا ہے اور اس کے مؤلف کو بھی ایک عمیق مفکر، عظیم مدبر اور اپنے علم واسلوب پر مسلط اور قوی پایا ہے.....۔''[۵]

عظیم مصلح اور اتحاد بین المسلمین کے داعی فقیہ اور عالم اہل سنت شیخ محمود شلتوتؒ سابق رئیس جامع الازہر ''مجمع البیان''، طبع مصر کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

''.....جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ تفسیر کی کتابوں میں یہ کتاب [مجمع البیان] بے نظیر ہے چونکہ یہ کتاب وسیع، عمیق اور گوناگوں ابحاث کی حامل ہونے کے باوجود ترتیب، تہذیب وابواب اور اسلوب کے لحاظ سے کتب تفسیر میں، اس سے پہلے اور بعد میں اس جیسی کوئی کتاب نہیں گذری۔''

اس کے بعد دوسری قدیم وجدید تفاسیر پر تنقید کرنے کے بعد علامہ شلتوت لکھتے ہیں:

بنابریں کہنا چاہیے کہ ''مجمع البیان'' پہلی کامل ترین تفسیر ہے کہ جس میں کثرت ابحاث

اور گہرے مطالب اور مکمل تحقیق کو یکجا جمع کیا گیا ہے اور اپنے مخصوص نظم وترتیب کہ جو مطالب کی تقسیم وتنظیم پر استوار ہے اور تفسیر قرآن سے متعلق ہر شی کی حفاظت کے حوالے سے یہ تنہا ایسی تفسیر ہے کہ جو خدمت قرآن کے عنوان سے لکھی گئی ہے نہ کہ [دوسری بعض تفاسیر کی مانند] قرآن کے ذریعے اہل لغت کی خدمت یا بوسیلۂ قرآن فقہاء کی خدمت کی خاطر یا یہ کہ آیات قرآن کو سیبویہ کی نحو یا عبدالقاہر جرجانی کی بلاغت یا یونانی اور رومی فلسفے پر منطبق کرنے کے لئے لکھی گئی ہے اور نہ ہی قرآن کو ان مذاہب کا طرفدار ظاہر کرنے کے لئے کہ جنھیں خود قرآن کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنا چاہیے۔''

اس کے بعد شیخ شلتوتؒ طبرسیؒ کے طرز تفکر کے بارے میں لکھتے ہیں:

''میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مؤلف ''مجمع البیان'' نے اپنے مذہبی احساسات وجذبات پر قابو رکھتے ہوئے اپنے اخلاص کو علمی طرز تفکر میں عمدہ طریقے سے استعمال کیا ہے۔ اگر چہ اس کی ہر موقع پر کوشش رہی ہے کہ اختلافی مسائل میں اپنے ہم مذہب علماء اور دانشوروں کی آراء اور نظریات بیان کرے اور بعض اوقات اس سلسلے میں اس کا یہ اہتمام مذہبی جذبات کی وجہ سے ہے لیکن پھر بھی ہم دیکھتے ہیں وہ ان احساسات کے سلسلے میں افراط سے پرہیز کرتا ہے اور اپنے مذہب ونظریہ کے مخالفین پر حملہ نہیں کرتا۔''

آگے چل کر علامہ شلتوت شیخ طبرسی کی مختلف علوم پر مہارت اور بلند ہمتی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مجمع البیان'' کے مؤلف امین الاسلام طبرسی ایک ایسی شخصیت ہیں کہ جو مختلف علوم میں مہارت رکھنے کے علاوہ دسیوں کتابوں کے مؤلف بھی تھے جن میں سے اکثر مذہب شیعہ سے مربوط ہیں اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ جن علوم وفنون پر وہ حاوی تھے ان میں سے تفسیر القرآن کی جانب ان کی توجہ خاص طور پر تھی اور اسے اپنا عظیم ہدف ومقصد بنائے ہوئے تھے اور اسی مقصد کی خاطر انھوں نے بلند ہمتی دکھائی اور اپنا ہم وغم [تفسیر قرآن] کو قرار دیا.....''[۲]

مجمع البیان کی اہم خصوصیت:

شیخ شلتوتؒ اس کتاب کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس کتاب کا اسلوبی امتیاز وخصوصیت یہ ہے کہ قاری کو جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ براہ راست اپنی مخصوص ومناسب جگہ [فصل] میں پالیتا ہے مثلاً قاری اگر لغت [قرآن] کی بحث کا مشتاق ہے تو وہ اس فصل کی طرف رجوع کرتا ہے جو لغت کے لئے مخصوص ہے اور اگر قاری نحوی بحث چاہتا ہے تو اس بحث کے لئے الگ فصل مخصوص ہے اس کی جانب رجوع کرسکتا ہے اور اگر کوئی قرآن کی مختلف قرأتوں سے آگاہی حاصل کرنا چاہے تو وہ اس سے متعلق فصل کی جانب رجوع کر کے اپنا مقصد پالیتا ہے۔

بلاشک وشبہ یہ چیز ان لوگوں کے کام کو بہت ہی آسان بنادیتی ہے جو قرآن کی تعلیم میں مشغول ہیں مخصوصاً اس دور میں کہ جب [جدید] روشن خیال طبقے کے لئے تفاسیر کے مطالعے میں جو چیز مانع ہے وہ یہی کہ اکثر مطالب [تفسیر] ان کے لئے ناقابل فہم ہوتے ہیں اور مطالعے کے وقت وہ زحمت ومشکل سے دوچار ہوجاتے ہیں اور یہ ''مجمع البیان'' کے دوسرے علمی وفکر انگیز مطالب کو چھوڑ کر نظم وترتیب کے لحاظ سے ایک اہم خصوصیت تھی۔''[۷]

شیخ شلتوتؒ ''مجمع البیان'' کے مقدمہ میں مزید لکھتے ہیں:

مؤرخین نے حیات طبرسی کے ضمن میں ایک عجیب بات نقل کی ہے وہ یہ کہ ''مجمع البیان'' کی تألیف کے وقت شیخ طبرسی نے ''التبیان'' شیخ طوسیؒ کے اہم نکات کو اپنی اس تفسیر میں جمع کیا کہ جو مجمع البیان سے پہلے لکھی گئی تھی لیکن وہ اس وقت تک زمخشری معروف اہل سنت عالم دین کی کتاب ''الکشاف'' سے بے خبر تھے جب انھوں نے ''الکشاف'' کو دیکھا اور اس کا مطالعہ کیا تو تفسیر قرآن میں ایک دوسری کتاب بنام ''الکافی الشافی من کتاب الکشاف'' تالیف کی اس کتاب کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ طبرسیؒ کو جو کچھ تفسیر الکشاف میں سے پسند آیا اسے اپنی اس جدید تفسیر میں جمع کردیا [گویا الکافی الشافی، الکشاف میں سے انتخاب وتلخیص شدہ ہے]۔[۸]

اگر وہ مجمع البیان کی تالیف سے پہلے اکشاف سے باخبر ہوتے تو اس کے دلچسپ و دقیق مطالب کو اپنی تفسیر میں ضرور جمع کرتے۔ اس کے علاوہ علامہ طبرسیؒ نے کتاب الکشاف دیکھنے کے بعد ایک اور کتاب بنام ''الوسیط'' تالیف کی جو چار جلدوں میں ہے اس کے بعد انھوں نے ایک دوسری کتاب بنام الوجیز لکھی جو مجمع البیان کے بعد ایک یا دو جلدوں میں ہے انھیں کتابوں میں سے ایک جوامع الجامع کے نام سے معروف ہے جیسا کہ نام سے ظاہر ہے علامہ طبرسیؒ نے اس کتاب میں تفسیر التبیان [شیخ طوسیؒ] کے دلچسپ نکات اور تفسیر الکشاف [علامہ زمخشری] کے دقائق و مطالب کو جمع کیا ہے۔''

اس کے بعد شیخ شلتوت الکشاف اور مجمع البیان کے درمیان مقابلہ و موازنہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

میں اس پسندیدہ علمی روش اور علم و معرفت کی نسبت عظیم اخلاص کو تجلیل و عظمت کی [نگاہوں] سے دیکھتا ہوں چونکہ مجمع البیان کے مطالعے کے بعد مؤلف کے قرآن اور تفسیر قرآن سے غیر معمولی شوق اور عشق کا بخوبی پتہ چلتا ہے وہ سالہا سال اس کام میں مشغول رہے اور اس کتاب کی تالیف اور بے نظیر تنظیم و ترتیب میں کوشش و مجاہدت سے ذرہ برابر بھی کوتاہی نہیں برتی۔

اس کے علاوہ فقط مجمع البیان ہی کافی تھی کہ جوان کے نام کو تا ابد زندہ رکھتی لیکن انھوں نے اسی پر قناعت نہیں کہ بلکہ اس کی تالیف کے بعد دوسری تفسیریں بھی تالیف کیں کہ جب ان کی عمر شاید ستر برس کے قریب تھی۔ اس قسم کی تحقیقی و علمی نشاط اور فنون میں سے ایک فن کی اس طرح حفاظت و [خدمت] قابل تعریف ہے اور اس عالم دین کے انتہائی علمی اخلاص کی نشاندہی کرتی ہے ایسا عالم اور دانشور ہمیشہ علم و دانش کے بازاروں کی تلاش میں رہتا ہے اپنی آنکھیں ہمیشہ جدید اور تازہ حقائق پر لگائے رکھتا ہے اور جدید ترین تحقیقات اور علمی انکشافات کے پیچھے لگا رہتا ہے اور یہ طرز رفتار، بعینہٖ قرآن اور وحی الٰہی کے مطابق ہے اور ایمان کا نتیجہ ہے چونکہ ارشاد خداوند تعالیٰ یہی ہے کہ:

﴿وَمَآ اُوتِيتُم مِّنَ العِلمِ اِلَّا قَلِيلاً﴾[9]

تمہیں سوائے قلیل سے علم کے کچھ نہیں دیا گیا اور خدا اپنے پیارے رسولؐ کو حکم دیتا ہے کہ اس سے زیادہ کی طلب کرو اور کہو

﴿رَبِّ زِدنِي عِلماً﴾

اے میرے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما۔

پس جب ہم جانتے ہیں کہ جو علم انسان کو دیا گیا ہے وہ انتہائی قلیل ہے اور بشریت کے نمونہ کامل یعنی حضرت رسول اکرمؐ بھی اس بات کے محتاج ہیں کہ اپنے علم میں اضافہ کے لئے خدا سے دعا فرمائیں۔ تو ہم عام انسان جن کا علم و عقل انتہائی قلیل و محدود ہے کیا کہہ سکتے ہیں؟ آیا اس نقص و کمی کا لازمہ یہ نہیں کہ انسان ہمیشہ اس پر توجہ رکھے کہ جو نہیں جانتا اس کی تلاش کرے اور جہاں سے بھی علم ملے اسے حاصل کرے۔

اسی وجہ سے میں نے اس شیعہ عالم کی اس نادر تالیف مجمع البیان کے آگے اپنے اندر ایک ہلچل سی محسوس کی اور اس سے شدید طور پر متاثر ہوا چونکہ انھوں نے انہی علوم و فنون پر کہ جن پر وہ حاوی و مسلط تھے اور جو کچھ انھوں نے شیخ الطائفہ اور عظیم مفسر شیخ طوسیؒ کی تالیف التبیان سے اخذ کیا تھا، پر اکتفا نہیں کیا یہاں تک کہ صاحب الکشاف (علامہ زمخشری) سے انکو جو جدید و تازہ معلومات ملیں انھیں اپنی قدیم و پرانی معلومات اور علم کے ساتھ جمع کر ڈالا کہ جو انھوں نے علامہ طوسی کی تفسیر التبیان سے حاصل کی تھیں اور مذہبی اختلاف ان کے اور الکشاف کے مولف کے درمیان حائل نہ ہو سکا اور نہ ہی عصبیت ان کے کام میں رکاوٹ بنی اس کے علاوہ، ''ہم عصری'' کا حجاب بھی ان دو عظیم علماء کے درمیان فاصلہ پیدا نہ کر سکتا کہ جو ایک ہی زمانے میں زندگی گذار رہے تھے جبکہ ہم جانتے ہیں کہ ہم عصر ہونا خود ایک بڑا حجاب ہے۔

پس کہنا چاہیے کہ اس عظیم انسان نے علمی کامیابی و فتح کے علاوہ کہ جن کا ذکر میں نے کیا ہے، دو کامیابیاں اور بھی حاصل کی ہیں ایک عصبیت مذہبی پر فتح اور دوسری ہم عصری کے حجاب پر فتح و کامرانی.....اور ہم جانتے ہیں ''جہاد بالنفس جہاد اکبر'' ہے۔ اس کے بعد شیخ شلتوتؒ مسلمانوں سے

مخاطب ہو کر لکھتے ہیں:

''پس اگر ہم اس کتاب مجمع البیان کو [تمام دنیا میں بسنے والے] مذاہب مسلمین کے سامنے پیش کرتے ہیں تو انہی خوبیوں اور خصوصیات کی خاطر، لہذا مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس [کتاب] کے پسندیدہ طرز عمل اور متین، روشن اور واضح علوم کی پیروی کریں اور اسے اپنے لئے نمونہ بنائیں۔ یہ درست نہیں کہ ہم گروہی اور نسلی اثرات اور عوامل سے متاثر ہو جائیں کہ جو طول تاریخ میں ہمیں وراثت میں ملتے رہے ہیں اور یہی [نسلی و گروہی] عوامل ایک دوسرے سے قطع تعلق اور دوری کا موجب اور ہمارے درمیان سوءظن کا باعث بنے رہے ہیں انھیں عوامل نے مسلمانوں کو دھوکے میں مبتلا رکھا ہے اور کسی پر بھی پوشیدہ نہیں کہ اسلام دشمن طاقتیں اپنے اغراض و مقاصد کے خاطر ہم سے یہی چاہتی رہی ہیں مسلمانوں کے مختلف ادیان اور مختلف انجیلیں [کتابیں] تو نہیں کہ جن کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے ساتھ اتحاد و اخوت قائم نہیں کر سکتے ان کا دین ایک، کتاب ایک اور اصول [دین] ایک ہے۔

بنابریں ان کے درمیان جب بھی کوئی اختلاف ہوتا ہے تو وہ یا اختلاف رائے ہوتا ہے یا روایت میں اختلاف ہوتا ہے اور ہر ایک، ایک راستے اور طریقے کے ذریعے اصول کلی تک پہنچنا چاہتا ہے، اور وہ سب ایک ہی حقیقت کے طالب میں کہ جو انھیں کتاب خدا [قرآن] اور دستورات پیغمبرؐ سے لینی چاہیے۔ اور ان کی یہ گمشدہ حکمت انھیں جس افق سے بھی ملے اسے حاصل کرنا چاہیے۔ جو کچھ کہا گیا ہے اس کی بنا پر مسلمانوں اور ان کے علماء و قائدین اور رہبروں پر واجب و لازم ہے کہ وہ اپنی تہذیب و ثقافت اور معارف و اعتقادات کا باہم تبادلہ کریں اور ایک دوسرے کی نسبت بدگمانی اور سوءظن کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکیں اور ایک دوسرے کے خلاف بدکلامی و فحش گوئی سے پرہیز کریں اور ہر وقت حق کو اپنا رہبر و راہنما قرار دیں اور ہر چیز کی خوبیوں پر نظر رکھیں اور انھیں حاصل کریں جیسا کہ خداوند تبارک و تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿فَبَشِّر عِبَادِ الَّذِينَ يَستَمِعُونَ القَولَ فَيَتَّبِعُونَ اَحسِنَه، اُولآئِکَ الَّذِينَ هَدٰاهُمُ اللهُ وَاُولآئِکَ هُم اُولُوالاَلبَابِ﴾[10]

یعنی؛ میرے ان بندوں کو بشارت دیدو، وہ لوگ جو باتوں کو (غور سے) سنتے ہیں اور ان میں سے بہترین کی پیروی کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جنکی اللہ نے ہدایت کی ہے اور یہی لوگ عقلمند ہیں۔[11]

یہ تھے ایک عظیم مصلح اور فقیہ کے تاثرات وخیالات کہ جو حق پرستی کو اپنا شیوا بناتے ہوئے پوری امت کو پرچم حق کے نیچے جمع ہونے کی تلقین کررہا ہے مرحوم شیخ شلتوتؒ کی زندگی اور طرز عمل تمام شیعہ وسنی علمائے اسلام کے لئے حجت اور نمونہ ہے کہ جو اپنے عظیم مقام ومرتبے کے باوجود ایک شیعہ عالم دین کی اس طرح توصیف وتعریف کررہے ہیں اور اس کے علم وفضل کا کھلے دل سے اعتراف کرتے ہوئے سب مسلمانوں کو اس کے علمی کارناموں سے آگاہ کررہے ہیں اور یہ علامہ طبرسی کا بھی کمال اخلاص اور دین اسلام سے حقیقی لگاؤ تھا کہ وہ اپنی تفسیر میں کوئی ایسی بات نہیں لکھتے کہ جو دشمنوں کے ہاتھ میں فتنہ وفساد کا بہانہ بن سکے اور مسلمانوں کی آپس میں دوری ونفرت کا باعث بنے بلکہ اپنی تحریر میں ایسی روش اپناتے ہیں کہ جو تمام منصف مزاج افراد کے لئے قابل قبول اور علم ومعرفت کے تمام تشنگان کے لئے سیرابی کا باعث بنے اور آج صدیاں گذرنے کے باوجود شیخ شلتوتؒ جیسے حق پرست، طبرسیؒ جیسے حق گو کی مدح وتوصیف کررہے ہیں یہ عفت قلم اور انصاف واخلاص طبرسی ہے کہ جس نے ہر علم دوست اور حق شناس فرد کو ان کا شیفتہ بنا رکھا ہے۔

شیخ طبرسیؒ کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ انھوں نے نقل اقوال میں تعصب سے کام نہیں لیا اور تمام مذاہب اور فرقوں کو ایک ہی نگاہ سے دیکھا ہے۔ جس چیز کو صحیح اور معقول جانا ہے اسے نقل کردیا ہے خواہ شیعہ کا قول ہے یا سنی کا۔ حتیٰ ان کے ناموں میں بھی تقدم وتاخر کا خیال نہیں رکھا باوجود اس کے کہ وہ ایک ایسے زمانے میں زندگی گذار رہے تھے کہ جب اپنے مخالف مذہب کے علماء کے اقوال کو کوئی بھی اہمیت نہیں دیتا تھا اور صرف اپنے ہی ہم مذہب علماء کے اقوال کو اہمیت دی جاتی تھی اور مخالفین کی روایات کو خواہ کتنی ہی ان کے نظریئے سے مطابقت رکھتی ہوں مردود شمار کیا جاتا تھا لیکن مؤلفین ومصنفین میں سے بہت ہی کم لوگ ہوں گے جو شیخ طبرسی کی طرح اپنے مخالفین پر لعن وطعن سے پرہیز کرتے ہوں اس بات پر مجمع البیان اور تفسیر جوامع الجامع واضح طور پر شاہد ہیں جو بھی ان دو تفاسیر

کا مطالعہ کرے وہ بخوبی اس دعویٰ کی حقانیت کو پالے گا۔۱۲

مجمع البیان اپنے مؤلف کی نظر میں

شیخ طبرسی علیہ الرحمہ مجمع البیان کے مقدمے میں اپنی اس قیمتی اور بلند پایہ تالیف کے بارے میں لکھتے ہیں:

اور خداوند تعالیٰ سے توفیق کی دعا کے بعد کہ وہ[اس کتاب کی تالیف] کے انجام کو میرے لئے میسر کرے.....میں نے ایک ایسی کتاب تالیف کرنی شروع کی ہے جو انتہائی تلخیص وتہذیب کے ساتھ ساتھ حسن نظم وترتیب بھی رکھتی ہو اور قرآن مجید کے تمام علوم وفنون میں ایسی جامعیت کی حامل ہو جیسے ایک انگشتر کہ جس میں حقائق ومعانی کا نگینہ جڑا ہوتا ہے اور اس کتاب میں قرأت قرآن کا علم اور اس کے اعراب ولغات اور غوامض ومشکلات سے لے کر شان نزول، اخبار وقصص، حدود واحکام، حلال وحرام اور باطل فرق ومذاہب پر قرآن کی تنقید اور اپنے عقیدے کے اثبات پر ہمارے علماء [رضوان اللہ علیہم] کے اصول وفروع میں عقلی ونقلی استدلالات، انتہائی اعتدال واختصار کے ساتھ اور تفصیل وتطویل سے بچتے ہوئے بیان کئے گئے ہیں۔ چونکہ موجودہ دور میں لوگ زیادہ علم کا[بوجھ] برداشت نہیں کرتے اور عظیم اہداف کی جانب قدم بڑھانے میں ناتواں ہیں اور اب علماء کے نام کے سوا باقی کچھ نہیں رہا۔''

میں نے ہر سورہ کی ابتدا میں اس سورے کا محل نزول کہ آیا مدنی ہے یا مکی اور آیات کی تعداد کے متعلق اختلاف اور اس سورے کی تلاوت کے ثواب کا تذکرہ کیا ہے اس کے بعد ہر آیت کی طرز قرأت کو ہر گروہ کے دلائل کے ساتھ لایا ہوں اس کے علاوہ لغات کے معانی اور ان کا طرز تلفظ ہر ایک کا شان نزول اس کے احکام معانی وتاویل ان سے مربوط قصص وتاریخ اور آیات کے آپس میں ارتباط ونظم کو بھی ذکر کیا ہے۔اس کے علاوہ قرآنی لغات کی بحث میں عالی ترین معنی اور اس کے طرز تلفظ میں واضح ترین بیان اور ان کے معانی کے بارے میں محکم ترین نظریہ اور ان کی مشکلات کے حل میں بہترین دلیل نقل کی ہے۔

بحمداللہ! اس طرح یہ تفسیر ایک ایسی کتاب ہے کہ جو ایک ادیب کے لئے قابل اعتماد، نحوی کے لئے سرمایہ، قاری کے لئے بصیرت، عابد کے لئے ذخیرہ، کلامی کے لئے حجت، محدث کے لئے وسیلہ، فقیہ کے لئے دلیل اور واعظ کے لئے سند ہے اور میں نے اس کا نام مجمع البیان فی علوم القرآن رکھا ہے۔''[۱۳]

علامہ طبرسی کی دوسری تفاسیر

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے کہ مجمع البیان کے علاوہ علامہ طبرسی نے دو اور تفاسیر بھی تالیف کی تھیں جن کا مختصر سا تعارف یوں ہے:

۱۔ تفسیر جوامع الجامع:

علامہ طبرسی نے یہ کتاب مجمع البیان کے بعد اپنے فرزند کی درخواست پر لکھی اور یہ مجمع البیان کے بعد شیخ طبرسی کی معروف ترین تالیف ہے اسی کو طبرسی نے ''الوسیط'' کا نام دیا اس تفسیر کی اہم ترین خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں طبرسیؒ نے انتہائی اختصار برتا ہے اور زائد مطالب اور غیر ضروری باتوں کو ذکر نہیں کیا دوسری بات یہ ہے کہ اس تفسیر میں بہت سے موارد میں شیعہ طریقے سے روایات نقل ہوئی ہیں کہ جو بعض اوقات تفسیر الکشاف زمخشری کے موافق اور بعض مقامات پر اس کے مخالف ہیں تیسری خصوصیت یہ ہے کہ طبرسیؒ نے اس میں کچھ موارد میں اپنی تفسیر کبیر ''مجمع البیان'' کے مطالب ونکات کو بھی ذکر کیا ہے اور بہت سے مقامات پر کہ جہاں امامیہ کی کلامی آراء ونظریات، معتزلہ کے نظریہ سے موافق نہیں یا خود طبرسی کی شخصی رائے کسی آیہ کی تفسیر میں اگر زمخشری کی رائے سے ٹکراتی ہے تو طبرسی، صاحب الکشاف کے نظریئے سے عدول کر کے وہی نظریہ پیش کرتے ہیں جسے وہ خود حق جانتے ہیں۔[۱۴]

اس تفسیر کی جدید طباعت، ڈاکٹر ابولقاسم گرجی کی تحقیق وتصحیح اور مقدمے وحواشی کے ساتھ عمدہ انداز میں عمل میں آئی ہے اور یہ تفسیر اب حوزہ علمیہ قم میں تفسیر کے ابتدائی طلاب کے نصاب میں شامل ہے۔

۲۔ تفسیرالکافی الشافی:

طبرسی کی ایک اورتفسیر بنام ''الکافی الشافی'' ہے کہ جوعلامہ جاراللہ زمخشری کی تفسیر الکشاف کے مطالعے کے بعدلکھی گئی ہے یہ تفسیرالکشاف کی تلخیص ہےاورمجمع البیان کے بعدتالیف ہوئی ہےاورتفسیر جوامع الجامع سے پہلےلکھی گئی ہے۔[۱۵]

حوالہ جات:

۱۔ مقدمہ جوامع الجامع ،ص۱۳ازدکترابوالقاسم گرجی۔

۲۔ مجالس المؤمنین، ج۱،ص۴۹۔

۳۔ مقدمہ جوامع الجامع ،ص۱۴۔

۴۔ تأسیس الشیعہ لعلوم الاسلام ،ص۳۴۰۔

۵۔ مقدمہ مجمع البیان، طبع مصر،ص۱،بحوالہ مقدمہ جوامع الجامع ،ص۱۴۔

۶۔ مقدمہ مجمع البیان، طبع مصر،ص۲۰،بحوالہ مقدمہ جوامع الجامع ،ص۱۵۔

۷۔ مجلّہ مکتب اسلام، ج۵،شمارہ۵،ص۴۶۔

۸۔ مقدمہ جوامع الجامع ازابوالقاسم گرجی،ص۱۴۔

۹۔ سورۂ بنی اسرائیل، آیت۸۵۔

۱۰۔ سورۂ زمر، آیت۱۸۔

۱۱۔ مقدمہ مجمع البیان طبع مصرازعلامہ شیخ شلتوتؒ نقل ازمجلّہ مکتب اسلام، ج۵،شمارہ۵،۶ یہاں اختصار کے پیش نظرعربی عبارات سے صرف نظرکرتے ہوئے فقط اردوترجمے پرہی اکتفا کیا گیا ہے۔

۱۲۔ مقدمہ جوامع الجامع ،ص۷۔

۱۳۔ مقدمہ مجمع البیان،ص۸۔

۱۴۔ مقدمہ جوامع الجامع ،ص۱۶۔

۱۵۔ مقدمہ جوامع الجامع ،ص۱۶۔

اوراق الوردة

منظوم اردو ترجمہ قصیدہ بردہ

ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شیخ محمد بن بوصیری مصری متوفی ۶۹۷ھ کا یہ شاہکار نعتیہ قصیدہ اپنے اخلاص اور والہانہ انداز بیان کی وجہ سے ایک نہایت اثر انگیز ادب پارے کی حیثیت رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ تقریباً پونے آٹھ سو سال سے یہ برابر مقبول اور متداول چلا آ رہا ہے۔ یہاں تک کہ کچھ خوش اعتقاد لوگوں نے بہت سے بے اصل خواص وفوائد بھی وضع کر کے اس سے وابستہ کر دئے ہیں۔ ہمارے نزدیک کسی نعتیہ ادبپارے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ اس سے حضور سرور عالم ﷺ کے ساتھ ذہنی وقلبی وابستگی میں اضافہ ہو اور آپؐ کی نبوت ورسالت کی صداقت وحقانیت پر ایمان پختہ تر ہو جائے اور آپؐ کی پیروی کا جذبہ بیدار ہو جو ایک مسلمان کی سب سے نمایاں پہچان اور اس کی جان ہوتی ہے۔

اس لحاظ سے شیخ بوصیریؒ کا یہ قصیدہ کامیاب ترین قصائد میں سے ہے اور یہی سبب ہے کہ ہر دور میں متعدد اکابر علماء اور ارباب قلم نے دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کی بہت سی شرحیں اور ترجمے لکھے ہیں۔ ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی نے اس کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے۔ کیونکہ قصیدہ بہت طویل ہے اس لئے منتخب اشعار کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

پھر آج تازہ ترا زخم دل ہوا کیسے؟
وہ ذوسلم کے پڑوسی وہ جان ودل ہوا کیسے؟
کسی بہانے سے کیا آج تجھ کو یاد آئے؟

☆☆☆

چلی ہے باد صبا کا ظمہ۲ کی جانب سے
جو ہاتھ لائی ہے اپنے شمیم شہر حبیبؐ
اضم سے یا کہ شب غم کے گھپ اندھرے میں
چمک اٹھی ہے کوئی برق خاص دور وقریب
یہ تیری آنکھوں کو کیا روگ لگ گیا آخر؟
کہے جوان سے تو تھمنے کو، اور بھی برسیں
ہوا ہے کیا یہ ترے دل کو بھی، کہ جتنا بھی
تو کہہ رہا ہے کہ سنبھلے، نہیں ہے وہ نہیں ہیں؟

☆☆☆☆

قتیل تیغ محبت کی سادگی دیکھو
سمجھ رہا ہے محبت کا راز ہے پنہاں
اسے خبر نہیں کیا اسعد بھی فی الواقع ؟
کہ اس کی آنکھیں بھی گریاں ہیں دل بھی شعلہ فشاں

☆☆☆☆

یہ سچ ہے خواب میں آیا خیال دوست مجھے
جو گر گیا مری آنکھوں سے نیند کو کافور
یہی ہے رسم محبت کہ دیکھے درد والم
بشر کے قلب کو کرتی ہے لذتوں سے دور

☆☆☆☆

میں مانتا ہوں نصیحت ہے پر خلوص تری
مگر میں تیری نصیحت کو سن نہیں سکتا
وہ کان ہی نہیں ہوتے ہیں، اہل الفت کے
کہ سن سکیں جو ملامت گروں کی کوئی صدا

☆☆☆☆

بڑی ہی آفت جاں ہے یہ نفس امارہ
کسی کی جس نصیحت نہ آج تک مانی
سفید بالوں نے، پیری نے لاکھ دھمکایا
یہ ٹس سے مس نہ ہوا، وائے اس کی نادانی

☆☆☆☆

کیا مہیا نہ اعمال نیک کا توشہ
ذرا بھی اس نے نہ پیری کا احترام کیا
وہ مہماں جو مرے سر پہ آ ہوا وارد
نہ حق ادا کیا کچھ اس کی میزبانی کا

☆☆☆☆

ہوا ہے یوں بھی مرتبہ کہ نفس دنی
سجا کے پیش کرے کوئی لذت قاتل
اور آدمی کو نہ چل پائے یہ پتہ ہرگز
کہ زہر بھی ہے مرغن غذاؤں میں شامل

☆☆☆☆

شکم پری کی ہو مستی کہ بھوک کی سستی
ہر ایک حال میں پوشیدہ مکر نفس سے ڈر
کہ یوں بھی ہوتا ہے اکثر کہ بھوک کی شدت
زیادہ خوری سے بھی ہو زیادہ موجب شر

☆☆☆☆

تجھے بھلائی کے کاموں کا میں نے حکم دیا
مگر کیا نہ کبھی میں نے کوئی نیک عمل
چلا نہ خود ہی میں اس راہ پر تو کیا حاصل
کہ تجھ سے کہتا رہوں دیکھ سیدھی راہ پہ چل

☆☆☆☆

سوائے فرض نمازوں کے اور روزوں کے
پڑھی نماز نہ روزہ ہی کوئی میں نے رکھا
تمام عمر نوافل سے میں رہا غافل
جو آخرت کے لیے بنتے زاد راہ مرا

☆☆☆☆

رسول پاک ﷺ کی سنت کو میں نے ترک کیا
کہ صرف خالق کونین کی رضا کے لئے
رہے جو راتوں کو مصروف یوں عبادت میں
کہ ان کے پائے مبارک بھی سوج جاتے تھے

☆☆☆☆

وہ فخر نوع بشر اور وہ امام رسلؐ
ستایا کرتی تھی جب ان کو بھوک کی سختی
تو باندھتے تھے کمر اور پیٹ پر پتھر
کہ جن کی جلد بہت نرم اور نازک تھی

☆☆☆☆

ہوا ہے یوں بھی کہ سونے کے اونچے اونچے پہاڑ
یہ چاہتے تھے کہ رغبت ہو آپؐ کو ان سے
نبیؐ کی ہمت عالی کے روبرو ہو کر
وہ ایسے خوار ہوئے، جس طرح خزف ریزے[۳]

☆☆☆☆

ضرورتوں سے نہ تھے آپؐ گرچہ متثنیٰ
مگر تھا زہد بہت پختہ سرور دیں کا
کہ احتیاج کا غلبہ نبیؐ کی عصمت پر
بہ روئے کار کسی طرح آ نہ سکتا تھا

☆☆☆☆

بلاتیں آپ کو دنیا کی لذتوں کی طرف
ضرورتوں کی بھلا یہ مجال ہی کب تھی
کہ چار دانگ جہاں میں یہ بات ہے مشہور
'نہ ہوتے آپؐ اگر' تو نہ ہوتی دنیا بھی

☆☆☆☆

وہ بہترین خلائق ، محمد عربی
خدا نے جن کو کیا وہ جہان کا سردار
عرب ہوں یا کہ عجم سب کے پیشوا ہیں وہیؐ
انھیں کو حق نے کیا انس و جان کا سردار

☆☆☆☆

حبیب خالق کونین ہیں رسول کریمؐ
ہر ایک صاحب ایماں ہے آپؐ کا شیدا
امید ہے کہ ہو محشر کی ہولنا کی میں
شفاعت آپ کی حاصل ہمیں بحکم خدا

☆☆☆☆

خدا کے بندوں کو اس کی طرف بلاتے تھے
چھڑا کے جادو شرک وصنم پرستی کو
تو انؐ کا دامن رحمت پکڑ لیا جس نے
پکڑ لیا ہے خدا کی اٹوٹ رسی کو

☆☆☆☆

سب انبیاؑ کے کمالات کو ہے وہ نسبت
حبیبؐ حق کے کمالات علم وعرفاں سے
کہ جیسے بحر سے باران تند وپیہم سے
کوئی تو چلو بھرے کوئی ایک چسکی لے

☆☆☆☆

سبھی رسولوں کی اک حد ہے علم وحکمت میں
جہاں سے آگے نہیں بڑھتے ان کے پائے کمال
مگر حبیبؐ خدا سرور دو عالم کا
حدود فہم سے بالا ہے منتھائے کمال

☆☆☆☆

وہ آپؐ ہی ہیں کہ ہر جسم وجاں کے خالق نے
کمال ظاہر و باطن تمام جس پہ کیا
تمام جن و بشر میں سے منتخب کر کے
حبیبؐ خاص بنایا پھر آپؐ کو اپنا

☆☆☆☆

ملی ہیں آپؐ کو مخصوص خوبیاں حق سے
نہیں ہے آپؐ کا جن میں کوئی شریک وسہیم
کہ ذات پاکؐ نبی میں ہے ایسا جوہر حسن
کسی طرح سے نہیں ہے جو قابل تقسیم

☆☆☆☆

تھی ذات آپؐ کی مانند نیر تاباں[۴]
کہ اس کو دور سے دیکھو تو چھوٹا آئے نظر
ذرا قریب سے دیکھو تو فرط تابش سے
ہو خیرگی کے سبب وا، نہ پوری چشم بشر

☆☆☆☆

اگر چہ قوموں کو دیدی تھی کاہنوں نے خبر
کہ ان کا بگڑا ہوا دین اور نظام حیات
تمام کر چکے دنیا میں اپنا دور بقا
اب آنے والا ہے انسانیت کا یوم نجات

☆☆☆☆

؎ اگر چہ دیکھ چکے تھے وہ اپنی آنکھوں سے
کہ اوندھے منہ ہیں زمیں پر پڑے ہوئے اصنام
بھڑکتے شعلے بکھرتے ہیں آسمانوں میں
بدل رہا ہے زمین و زماں کا کہنہ نظام

☆☆☆☆

تھے جتنے جن وشیاطین آسماں کے قریب
رہ پیام الٰہی سے سب گریزاں تھے
فرار جیسے کرے کوئی فوج کھا کے شکست
وہ بھاگتے تھے یونہی ایک ایک کے پیچھے

☆☆☆☆

زمانہ جب بھی ہوا میرے درپے آزار
تو مانگی میں نے اماں آپؐ کے وسیلے سے
خدا نے مجھ کو کیا اپنی رحمتوں سے قریب
بچایا ذلت وشر سے مجھے زمانے کے

☆☆☆☆

نبیؐ کے خواب بھی آئینہ حقیقت تھے
کہ وحی حق تھے، تو اس وحی کا نہ کرا نکار
خدا نے آپؐ کو بیشک دیا تھا دل ایسا
جب آنکھیں سوتی تھیں رہتا تھا تب بھی وہ بیدار

☆☆☆☆

عیاں ہے سب پہ کہ آیات و معجزات رسولؐ
چراغ راہ ہیں انساں کی زندگی کے لیے
بغیر ان کے نہیں عدل کو جہاں میں ثبات
جو امن عام کا ضامن ہے آدمی کے لئے

☆☆☆☆

شفا نصیب ہوئی بارہا مریضوں کو
ملا جو لمس کف دست پاک آقاؐ کو
حواس جن کے تھے مختل غموں کی کثرت سے
درست ہو گئے، جینے کا حوصلہ پایا

☆☆☆☆

کبھی جو قحط پڑا، کشت زار سوکھ گئے
خراب حال و پریشاں ہوئے عرب کے مکیں
دعا کی آپؐ نے پروردگار عالم سے
تو لہلہا اٹھی پھر سے تمام سطح زمیں

☆☆☆☆

تمام ایسے مفاخر سے سرفراز ہوئے
کہ جن میں کوئی بھی سرکارؐ کا سہیم نہ تھا
فرشتوں کی بھی رسائی جہاں نہیں تھی، آپؐ
ہر اس مقام سے آگے گئے تن تنہا

☆☆☆☆

ہوا ظہور نبیؐ عہد جاہلیت میں
یتیم پیدا ہوئے، عمر بھر رہے امی
سکھائے پھر بھی زمانے کو جو علوم وادب
ہیں، معجزے کے طلبگار کے لئے کافی

☆☆☆☆

حوالے :

۱:۔ ذو سلم : مکہ اور مدینہ کے راستے میں ایک مقام کا نام ہے۔ نبی کریم ﷺ ہجرت فرماتے ہوئے اس مقام سے گزرے تھے۔ (باجوری، ازہری، رضوی، حسنی)

۲:۔ کاظمہ: مدینہ طیبہ سے مکہ کی طرف جانے والے ایک راستے کا نام بھی ہے ، مدینہ منورہ کے آس پاس ایک مقام کا نام بتایا گیا ہے، ایک تالاب یا کنویں کو بھی کہا جاتا ہے۔ اور خود مدینہ طیبہ کے ناموں میں سے ایک نام بھی ہے اور بظاہر اس شعر میں یہی مراد ہے (ازہری ، باجوری، رضوی، حسنی)

۳:۔ خذف ریزے: ٹھیکرے، کنکر

۴:۔ نیر تاباں: چمکتا ہوا سورج

۵:۔ اُمی: جس نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو۔ حضور انور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام علوم علم و ادب فرشتے کی وساطت سے کسی دنیاوی ذریعے کے بغیر سکھایا تھا، اس لئے آپ ؐ کو اُمی کہا گیا۔

بشکریه :

فصل نامه راه اسلام، جولائی تا ستمبر 2003

☆☆☆☆

شعبہ تبلیغات کا تعارف

اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُونَ رِسَالاَتِ اللّٰہِ وَ یَخْشَوْنَہٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَداً اِلَّا اللّٰہ.....الخ ﴿احزاب/ ۳۹﴾

''جولوگ اللہ کے پیغام کو پہنچاتے ہیں اور دل میں اس کا خوف رکھتے ہیں اور اس کے علاوہ وہ کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ حساب کرنے کے لئے کافی ہے۔''

مورِدِنظر پیغام کو موثر انداز میں لوگوں تک پہنچانے کو ''تبلیغ'' کہا گیا ہے۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنی بات دوسروں تک منتقل کرنا چاہتا ہے۔ ایسے دور میں جہاں ''حقیقت'' کو لوگوں سے پوشیدہ رکھا جارہا ہو، حقائق اور واقعات کو ان تک پہنچانا ہر صاحبِ علم کا اوّلین فرض ہے۔ دین اسلام جو تمام حقائق کا سرچشمہ ہے، اس کا پیغام ہر انسان تک پہنچانا ہر مسلمان کی ایک ''عظیم ذمہ داری'' ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''جو ہماری حدیث بیان کرے اور اس سے ہمارے ماننے والوں کے دلوں میں فکری انقلاب برپا کرے، وہ ہزار عبادت گزاروں سے بہتر ہے۔''

حضرت امام علی رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

''رحم اللّٰہ اِمرأً من احیا امرنا''

''اللہ رحم کرے اس شخص پر جو ہمارے امر (امامت) کو زندہ رکھے۔''

آپؑ سے دریافت کیا گیا کہ کس طرح...؟ تو آپؑ نے فرمایا:

''لوگوں کو ہماری احادیث سنا کرے۔'' نیز فرمایا:

''انّ النّاس لو علموا محاسن کلامنا لاتّبعونا''

''اگر لوگ ہمارے کلام کے حسن سے آگاہ ہوں تو ضرور ہماری اتّباع کریں۔''

ہر مذہب کے ماننے والوں کی کوشش رہی ہے کہ اسے مذہبِ حق ثابت کریں جبکہ مذہبِ اہلبیت علیہم السلام ایسا مذہب ہے جو عقلی و نقلی اعتبار سے مسلّمہ طور پر مذہبِ حق و حقیقت ہے۔ ایسا مذہب جس کے امام و راہبر کو حضرت پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ''حق مجسّم'' قرار دیا ہے جس کے ذریعے تمام حقائق کو پہچانا جائے گا:

''اَلْحَقُّ مَع علیٍ وَّ علیٌّ مَعَ الْحَق اَللّٰھُمَّ اَدْرِ الْحَقَّ حَیْثُ مَا دَارَ علیٌ''

''حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ حق کے ساتھ.. اے اللہ! حق کو اُدھر پھیر دے جدھر علیؑ ہوں۔''

لہذا اسلامِ حقیقی کا پیغام ہر فرد تک پہنچانا ہر محبِّ اہلبیتؑ کا عقلی و شرعی فریضہ ہے۔

علاوہ ازیں موجودہ دور میں اس کی ضرورت اس لئے بھی شدت اختیار کر جاتی ہے کیونکہ آج پوری دنیا میں اسلام کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے اور مغربی تہذیب کے ذریعے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت پوری دنیا میں بالعموم اور اسلامی ممالک میں بالخصوص نوجوان نسل کو تباہی کے کنارے لا کھڑا کر دیا گیا ہے۔

ان حالات میں اسلامی اور قرآنی ثقافت کے فروغ سے اس معاشرے کی اصلاح اس کا واحد حل ہے۔ وطنِ عزیز پاکستان میں استعماری طاقتوں کے نمک خواروں نے ایک عرصے سے مکتب اہلبیت علیہم السلام کے خلاف غلیظ پروپیگنڈے شروع کر رکھے ہیں اور آئے دن ایک نئی سازش کا جال بنتے ہیں جس کی وجہ سے آج ملّتِ تشیّع کا جوان طبقہ شدید انحرافی خطرات سے دوچار ہے۔ اس مذموم تحریک کا مقابلہ کرنے کے لئے ملّتِ تشیّع کے کچھ مفید مراکز کسی حد تک کام تو کر رہے ہیں لیکن ناکافی ہیں۔

''**جامعۃ الرّضا**'' جو کہ ایک دینی و علمی مرکز ہے، نے بھی ان سازشی عناصر کے خلاف قوم کا دفاع کرنے اور ناصرین ملّت کا ہاتھ بٹانے کی خاطر 2001ء اپنے اس شرعی فریضہ کو انجام

دینے کی غرض سے اپنے تدریسی امور کے ساتھ ساتھ ''**شعبہ تبلیغات**'' قائم کیا جس کے درج ذیل اہداف ہیں:

۱۔ موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق دین مقدس اسلام کے حقیقی چہرے کو اجاگر کرنا۔

۲۔ تبلیغات کے ذریعے ثقافتِ قرآن واہلبیتؑ کو رائج کرنا۔

۳۔ نوجوان نسل کے لئے دینی تعلیم کے چھوٹے مراکز قائم کرنا۔ جہاں طلباء کم از کم قرآن اور ابتدائی اسلامی معلومات حاصل کرسکیں۔

۴۔ عوام بالخصوص نوجوانوں کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے سوالات واعتراضات کے جوابات مہیا کرنے کا انتظام کرنا۔

۵۔ محروم علاقوں میں قرآنی تعلیم کو عام کرنے کے لئے قرآن سنٹرز قائم کرنا۔

طریقۂ کار

مذکورہ بالا مقاصد کے حصول کے لئے درج ذیل کاموں کا اجراء کیا گیا:

۱۔ ہر سال محرم الحرام اور ماہِ رمضان المبارک میں مختلف اضلاع خصوصاً پسماندہ علاقوں میں مبلّغین کو بھیجا جاتا ہے۔

۲۔ پسماندہ اضلاع میں بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم مہیا کرنے کی غرض سے قرآن سنٹرز قائم کئے گئے ہیں۔

۳۔ قرآنِ حکیم کی تعلیم کو موثّر بنانے کی خاطر ''معلّمین قرآن'' ورکشاپ کا انعقاد کیا جاتا ہے۔

۴۔ خواتین کے لئے بھی جو کہ معاشرے کا ایک اہم اور فعال حصہ ہیں، قرآنِ حکیم کی تعلیم کا بندوبست کیا جاتا ہے۔

۵۔ قرآن سنٹرز میں دینیات کورس پڑھانے کا انتظام کیا گیا ہے۔

۶۔ خط و کتابت کے ذریعے اسلام شناسی اور فہم القرآن کورس کروانے کا انتظام کیا گیا ہے۔

۷۔ نوجوان نسل کو دین سے روشناس کروانے کی غرض سے ۳۰ روزہ ''دینی تربیتی ورکشاپ'' منعقد کی جاتی ہے۔

دینی مدارس کے اساتذہ اور طلاب سے اپیل

ششماہی نور معرفت ، علمی ،تحقیقی اوردینی جریدہ ہے جسے دینی مدارس اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ وطلاب کے درمیان علمی وتحقیقی شوق وجستجو پیدا کرنے کی غرض سے شائع کیا گیا ہے۔ یہ جریدہ تمام مدارس اوردینی اساتذہ وطلاب سے متعلق ہے ۔لہٰذا اس سلسلے میں آپ کا علمی تعاون اور قیمتی آراء ہمیں اس جریدہ کو بہتر سے بہتر بنانے میں مددگار ثابت ہوگا۔

آپ سے گذارش ہے کہ اپنی دینی وعلمی تحقیقات اور نگارشات اس جریدہ کے لئے ارسال کریں۔تحقیقی اور علمی تحریروں کا کھلے دل سے استقبال کیا جائے گا۔فرقہ وارانہ اورحوالہ جات کے بغیر تحریریں ارسال نہ کی جائیں۔

ادارہ نور معرفت اسلام آباد

☆☆☆☆☆

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (القرآن)

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور تفرقے میں نہ پڑو۔

یکی از مطبوعات

نور الھدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

سادات کالونی، پارہ کہو، اسلام آباد فون: 051-2231937